حسب ایماء

فخر الاولیاء، سید السالکین، سند الکاملین حضور قبلۂ عالم

حضرت خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ العزیز

تالیف

حضرت مولانا بقا محمد قریشی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

جامع الفردوس اگہار کوٹلی (آزاد کشمیر)

فہرست

فصل سوم : رابطہ

باب دوم : ذکر

فصل اول : عظمت ذکر

فصل دوم : اقسام ذکر

فصل سوم : لطائف سبعہ

Marfat.com

فصل سوم : رذائل اخلاق

Marfat.com

باب چہارم : طریقت

فصل اول : ارکان طریقت

فصل دوم : اشغال طریقت

باب پنجم : سلسلہ

☆ ☆ ☆

تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ○ اَمَّا بَعْدُ:

مولانا حاجی بقا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قریشی ہاشمی موضع نکہ (کرٹی)، تحصیل کوٹلی آزاد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ آپ عالم دین اور صوفی باصفا تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم پر دسترس رکھتے تھے جس کا اظہار اس تصنیف سے ہوتا ہے۔ وادیٔ سلوک میں قدم رکھنے سے پہلے آپ ریاست کی انجمن اسلامیہ میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے اکثر دورہ پر رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ آپ کسی کامل سے تربیت حاصل کرکے طالبان حق کی راہنمائی کریں تو اس نے پردۂ غیب سے سامان مہیا کر دیا۔ آپ دورہ پر علاقہ ڈڈیال (میرپور) میں تھے اور حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دنوں انب (ڈڈیال) کی مسجد میں قیام پذیر تھے۔ اس سے پہلے دونوں میں کوئی تعارف یا رابطہ نہ تھا۔ اس دوران دو ایسے واقعات رونما ہوئے کہ بقول حاجی صاحب ان کی کائنات بدل گئی۔ ایک واقعہ تحریک کا سبب بنا جبکہ دوسرا خود سپردگی کا

باعث نکلا۔ کنڈور مسجد میں سائیں محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ زلفاں والے کی نماز سے تحریک ہوئی اور انب کی مسجد نے موقع فراہم کر دیا۔ ہوا یوں کہ سائیں محمد حسن رحمۃ اللہ زلفاں والے نے آپ کی موجودگی میں کنڈور مسجد میں نماز ادا کی۔ اس نماز نے آپ کو بہت متاثر کیا۔ بعد میں آپ اسے "لاڈلی نماز" کہا کرتے تھے۔ سائیں صاحب سے دریافت کرنے پر حاجی صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کی نسبت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ دوسری صبح معمول کے مطابق حاجی صاحب سفر پر نکلے۔ سردی شدید تھی۔ آپ سردی سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اس سے بچاؤ کی خاطر انب مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ قدوسیوں کی ایک جماعت چہرے ڈھانپے مراقب بیٹھی ہے۔ اشراق تک آپ کا یہی معمول تھا۔ مولانا بقا محمد اس منظر سے بہت متاثر ہوئے۔ جب سورج طلوع ہوا اور اس کی کرنوں نے مسجد میں جھانک کر دیکھا تو حضرت قبلۂ عالم نے چہرہ مبارک سے نقاب الٹا۔ ان کی نگاہ نور کا پہلا ہدف آپ تھے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ پہلی نگاہ کام کر گئی۔ بس کیا تھا آپ ان کے حلقہ ارادت سے منسلک ہو گئے۔ ظاہری علم تو تھا ہی، باطنی کمالات حاصل کر کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ حق کے متلاشیوں کی راہنمائی سپرد ہوئی اور یہ سلسلہ تادم واپسیں جاری رہا۔

حاجی صاحب کی وفات ۱۵ اگست ۱۹۷۶ء کو ہوئی۔ آپ کا مزار یونیورسٹی کیمپس کوٹلی کے پہلو میں دربار عالیہ اگہار کی شاندار مسجد کی زیریں منزل میں ہے۔

آپ کو حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ نے "تحفۂ سلطانیہ" کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا۔ "تحفہ سلطانیہ" دراصل اسلامی تصوف اور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پاک کی تصویر کشی ہے۔ آپ نے اس رسالہ میں

قرآن و سنت اور آثار صحابہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سلف صالحین کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ نے مابعد کی تبدیلیوں کو کبھی قبول نہیں کیا۔ وہی سلف صالحین کی سادگی، استغناء اور توکل آپ کا شعار تھا۔ جدت پسندی اور شہرت سے نفرت آپ کی زندگی کا خاصہ رہا۔ سلوک میں آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو کار ہیں۔ جس طرح حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زندگی شریعت اور طریقت کا ایک حسین امتزاج بدرجہ اتم پیش کرتی تھی، آپ کی زندگی میں بھی یہ امتزاج پوری طرح نمایاں ہے۔ دین کے سلسلہ میں آپ متقدمین صالحین کی تحریروں پر انحصار کرتے جنہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے سعی کی۔

آپ کی زندگی کا مقصد شریعتِ مطہرہ کا کامل اتباع تھا۔ احکام شریعت پر سختی سے عمل پیرا تھے اور طالبان حق کو یہی تعلیم دیتے تھے کہ انسان کی زندگی کا محور شریعتِ مطہرہ کے احکام کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہونا چاہیے، نفس کی خواہش اور خوشی نہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ ہمیں ان بزرگان دین کی تقلید کرنی چاہیے جو عزیمت کو رخصت پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ عزیمت اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور شریعت کی اتباع پر ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا انحصار ہے۔ گویا یہ راس المال ہے جس سے دنیا اور عقبیٰ کی سعادتیں خریدی جا سکتی ہیں۔ آپ کے نزدیک طریقت اور حقیقت شریعت کے معاون ہیں جو اکابر صوفیاء کرام ریاضت اور مجاہدہ سے حاصل کرتے ہیں۔ شریعت کی زبان میں یہی اخلاص ہے اور ان سب کا مقصود شریعت کی حفاظت و اشاعت ہے۔

آپ کے نزدیک کشف، شہود، اذواق و مواجید راستے کے احوال ہیں۔ ان پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہیے اور نہ ہی انہیں باعث افتخار سمجھنا چاہیے۔ ہمیشہ مقام رضا کے حصول

کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور اس کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شریعت کے تینوں اجزا علم، عمل اور اخلاص کامل شکل میں یکجا ہو کر فکر و عمل کی غذا نہ بن جائیں۔ آپ اہل تصوف کے ان اعمال سے پرہیز کی تلقین کرتے تھے جو سنت سے موافقت نہیں رکھتے خواہ ان کی نسبت کسی درویش ہی سے ہو۔ آپ کے ہاں طالبانِ حق کا پہلا وظیفہ احکام شریعت کی پابندی ہے۔ جب مرید اتباعِ شریعت میں درجۂ اعتماد پر پہنچ جاتا آپ اس کو سلوک کی وادی میں داخل کرتے اور سلسلہ کے اسباق سے نوازتے۔ اس رسالہ میں قارئین کرام اسی اجمال کی تفصیل پائیں گے۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ صدیقی النسل ہیں۔ آپ کا خاندان شاہان تغلق کی تحریک پر سیستان (ایران) سے ہندوستان آیا اور رہتک (ہریانہ) میں آباد ہوا۔ آپ کا خاندان شروع سے ہی علم و فضل کا گہوارہ چلا آ رہا ہے۔ جس نے کمال الدین یمنی جیسے محدث پیدا کیے۔ خاندان کے افراد شاہان دہلی کے ہاں بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے۔ قاضی القضاۃ سے محتسب تک کے عہدے آپ کے خاندان میں رہے۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی رہتکی قدس سرہ تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ حضرت محمد حسن رہتاسی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد علیہ خلیفہ تھے۔ جب ریاست میں سلطان فتح خان گکھڑ حکمران تھا اور ۱۰۵۱ھ میں میرپور کا شہر آباد ہوا تو انہوں نے حضرت فتح اللہ صدیقی قدس سرہ کی خدمات بطور قاضی القضاۃ حاصل کیں۔ اس طرح یہ بزرگ رہتک سے میرپور تشریف لائے اور میرپور کی پہلی مسجد تعمیر کی۔ یہ روحانی مرکز سکھوں کی تاخت تک قائم رہا۔ پھر یہ خاندان پنجیاں شریف (۱)

(۱)۔ داخلی فتح پور نزد لدڑ بجانب شمال مغرب میرپور شہر سے تین میل پر ہے۔

منتقل ہو گیا۔ تاہم قاضی صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع میرپور شہر عقیدت مندوں کے لیے فیوض و برکات کا مرکز رہا۔

منگلا جھیل کی وجہ سے چیچیاں شریف اور مزار زیر آب آ گئے۔ اب اس خاندان کے دو روحانی مراکز کالا دیو (جہلم) اور آگہار (کوٹلی) ہیں۔ صدیقیان میرپور کے مورث اعلیٰ حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اب جامع الفردوس آگہار کے پہلو میں ہے۔ آپ کا انتقال ۱۰۸۸ ھ میں ہوا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف جامعہ سلطانیہ کالا دیو کے پہلو میں ہے۔ آپ کا انتقال ۹ مئی ۱۹۳۴ء کو ہوا۔ قاضی صاحب تک آپ کا نسب چھ واسطوں سے پہنچتا ہے۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ ولی کامل تھے۔ آپ کی زندگی شریعت اور طریقت کا کامل نمونہ تھی۔ لہذا یہ رسالہ ان تمام حضرات کے لیے مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے جو شریعت اور طریقت کی راہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

یہ رسالہ ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کی تصنیف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہر ارادے پر غالب ہے۔ انسان کی ہر کوشش اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ مولانا حاجی بقا محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسودہ "اللہ والے کے قومی دکان کشمیری بازار لاہور" کو طباعت کے لیے سپرد کیا۔ طباعت کے ضروری معاملات بھی طے ہو گئے ہیں مگر کسی وجہ سے رسالہ طبع نہ ہو سکا۔ کئی سال بعد بڑی تلاش کے بعد یہ مسودہ پبلشر کے گودام سے ملا۔ حاجی سخی ولایت صاحب آف مہنڈر (موجودہ مقبوضہ کشمیر پونچھ) جو متمول ہونے کے علاوہ حاجی صاحب کے مرید اور مخلص سنگی تھے۔ اس یقین دہانی پر مسودہ لے گئے کہ وہ (مقبوضہ کشمیر پونچھ)

سے طبع کروائیں گے مگر وہ بھی ایسا نہ کر سکے اور کئی سال گزر گئے۔ قبلہ حضرت خواجہ محمد صادق صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلف الرشید قبلۂ عالم خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کو مہنڈر جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے حاجی سخی ولایت صاحب کی مسجد میں قیام کیا۔ آپ کو مطالعہ کا شروع ہی سے خاص شغف ہے چنانچہ آپ نے الماری میں پڑی کتابوں کا جائزہ لیا تو اس مسودہ کو وہاں پڑا پایا۔ حاجی صاحب کی اجازت سے آپ مسودہ ہمراہ لے آئے۔ اس پر بھی تقریباً نصف صدی گزر چکی ہے۔

سید عبدالرحمن بخاری ایم۔ اے، ایل ایل۔ ایم، شعبۂ تحقیق قائداعظم لائبریری لاہور کی سعی و کاوش سے یہ رسالہ اب طباعت کے لیے تیاری کے مراحل میں ہے۔ قبلہ حضرت صاحب مدظلھم العالی کے ملاحظہ کے لیے ان دنوں دربار عالیہ اگھار میں ہے۔ آپ نے پسند فرمایا اور طباعت کی اجازت بخشی۔ اللہ کرے جلد طبع ہو کر طالبان حق کی راہنمائی کا سبب اور ذریعہ بنے۔ شاہ صاحب شریعت اور طریقت کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ صاحب طرز انشا پرداز ہیں۔ اس رسالہ کی نوک پلک سنوارنے میں آپ نے اپنے تبحر علمی سے پورا پورا کام لیا ہے۔ الفاظ کا نیا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے۔ امید ہے قارئین کرام اس سے محظوظ اور مستفید ہوں گے۔

والسلام

حاجی منیر حسین بٹ

(ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر)

کوٹلی۔ آزاد کشمیر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْاَمِیْنِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ:

اسلام دین فطرت ہی نہیں بلکہ زندگی کا ایک جامع، مکمل اور ابدی نظام بھی ہے۔ ایسا نظام ہدایت جو زندگی کے ہر رخ اور ہر زاویے کو منور کرتا اور انسانی فطرت کے سب تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ فطرت انسانی کے یوں تو بہت سے تقاضے ہیں مگر سب سے پہلا، سب سے اہم اور سب سے غالب تقاضا روحانیت ہے۔ روح انسانی کا مبدا خالق کائنات ہے۔ لہذا ہر انسان کی اصل فطرت میں خالق کی محبت کا لامتناہی جذبہ ہمیشہ متلاطم رہتا ہے۔ یہ فطری جذبہ محبت انسان کے اندر اپنے خالق و معبود کے ساتھ ایک پختہ تعلق اور خاص رابطہ استوار کرنے کی شدید آرزو پیدا کرتا ہے۔ یہی باطنی تجسس اور روحانی پیاس انسانی فطرت کا سب سے اہم اور بنیادی تقاضا ہے اور مذہب در حقیقت اسی تقاضے کی توسیع، تعمیم اور تکمیل کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین کی اصل غایت اور تمام انبیاء کرام کی بعثت کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس، تجلیۂ روح اور تصفیۂ قلب رہا۔ اس لیے روحانیت سرچشمۂ حیات ہے اور اسی میں فروغ دین کا راز پنہاں۔ کائنات ہستی کے سب نغمے

روحانیت کے ساز سے ابلتے ہیں اور اسی روحانیت کا سر عنوان تصوف ہے۔

اس تناظر میں دیکھیں تو اسلام اپنی حقیقت کے لحاظ سے تزکیۂ روح کا دین اور تصوف اس دین کا جوہر قرار پاتا ہے۔ تصوف دراصل انسانی روح کی شناخت، فطرت صحیحہ کی بازیافت اور حقیقتِ الٰہیہ تک رسائی کا نام ہے اور یہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ کو اپنے باطن میں جذب کرنے اور اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے سے تعبیر ہے۔ بقول اقبال ؎

پس طریقت چیست اے والاصفات

شرع را دیدن بہ اعماق حیات

تصوف محض اسلام کی روحانی اقدار کا مجموعہ نہیں بلکہ دین کی علمی، عملی اور تہذیبی سب جہتوں اور اس کے وجود کی تمام پرتوں میں جاری وساری ہے۔ اس اعتبار سے تصوف کی حیثیت دین میں وہی قرار پاتی ہے جو ایک زندہ نامیاتی وجود میں عمل تنفس یعنی سانس کی آمد و شد کی ہے۔ تصوف کا انکار کرنے والے یا اسے عجمی سازش ٹھہرانے والے ناقدین دراصل آج تک تصوف کی حقیقت اور حیثیت کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔ تصوف کے نام یا اصطلاح پر تو کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں کہ :

لَا مُشَاحَّةَ فِی التَّسْمِیَةِ وَ الْاِصْطِلَاحِ۔

یعنی کسی عمل وفن کا کوئی نام رکھنے یا کوئی لفظ بطور اصطلاح اپنانے پر تنقید جائز نہیں۔ رہا تصوف کا نظام اور اس کا فکری و عملی ڈھانچہ تو اس بارے میں آج تک جتنی بھی تنقید ہوئی ہے۔ اس کا ہدف یا تو محض ناقدین کے مزعومہ تصورات تھے جن کا

Marfat.com

تصوف سے کوئی تعلق ہی نہیں یا پھر اسکا مصداق صرف اور صرف وہ شطحیات و انحرافات تھے جنہیں خود ارباب تصوف ہمیشہ مسترد کرتے چلے آتے ہیں۔ تصوف کی اصل حقیقت اور اس کے جوہری نظام پر چودہ صدیوں میں ایک بھی ایسی تنقید یا اعتراض سامنے نہیں آ سکا جس میں ذرا بھی وزن یا جان ہو۔

اصل یہ ہے کہ تصوف کسی علمی نظریہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عملی تجربے کی چیز ہے اور تجربہ بھی حسی یا مادی نہیں بلکہ خالص روحانی و باطنی تجربہ۔ تصوف عقل و خرد اور دید و شنید سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ احساس و وجدان اور قلب و روح کی راہ سے ملتا ہے۔ یہ خارج سے نہیں چمکتا، باطن سے پھوٹتا ہے۔ یہ ابلاغ کے حسی تاروں سے نہیں، انفاس کی پاکیزہ موجوں سے پھیلتا ہے۔ یہ الفاظ کے پیمانے میں نہیں سماتا، احساس کی گہرائیوں میں اترتا ہے۔ غرض یہ کہنے سننے کی نہیں، بلکہ سیکھنے اور برتنے کی چیز ہے۔ ؎

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

بنا بریں جو شخص تصوف کی راہ سے اسلام کو پالے وہ تشکیک و اضطراب کے ہر آزار اور تلبیس و تزویر کے ہر دام فریب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تصوف کا رویہ عقلی تجسس نہیں، تسلیم و تفویض ہے۔ اس کا حاصل ظن و تخمین نہیں، حق الیقین ہے اور اس کا اسلوب بحث و نظر نہیں، روحانی واردات ہے۔ تصوف علم کو یقین میں بدلتا، ایمان کو عرفان تک پہنچاتا اور عمل کو اخلاص سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہ تزکیۂ روح کا الوہی منہاج اور وصول الی اللہ کا پوشیدہ راستہ ہے۔

تصوف اسلامی تاریخ کے روز اول ہی سے موجود ہے اور پوری آب و تاب کے

ساتھ مطلعِ حیات پر جگمگا رہا ہے۔ تصوف نام ہے نہ رسم، یہ تو ایک رویہ ہے۔ محبتِ الٰہی، اتباعِ سنت اور حسنِ اخلاق اس کے عناصر ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ تصوف کے یہ عناصر دورِ نبوت اور عہدِ صحابہ میں عملاً موجود نہ تھے؟ یہ سب قرآن و سنت کے احکام اور دین کی ابدی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے دو بنیادی جزو ہیں: ایک ظاہری عملی احکام جو آگے چل کر فقہ کے نام سے مدون ہوئے اور دوسرے باطنی اخلاقی احکام جو بعد میں تصوف اور طریقت کہلائے۔ یوں تصوف اسلامی شریعت سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ اس کا ایک اہم اور بنیادی جزو ہے اور سچ تو یہ ہے کہ تصوف اسلام کی خالص ترین اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے۔

اسلامی تصوف کی تاریخ خود اسلامی معاشرہ کی تاریخ ہے۔ تصوف کی تحریک دین کی تحریک، اس کی دعوت اسلام کی دعوت اور اس کا فروغ اسلام کا فروغ ہے۔ تصوف اسلام کی معنوی قوت اور اس کی بقاء کا ضامن ہے۔ اگرچہ دنیا کی ہر قوم اپنا ایک جداگانہ قانونی، معاشرتی اور سیاسی نظام رکھتی اور اس پر فخر کرتی ہے لیکن اسلام کا امتیاز وہ خصوصی دینی روح اور باطنی جوہر ہے جو اس کے قانونی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ہر نظام میں جاری و ساری ہے۔ یہی اسلامی روح تصوف کہلاتی ہے جس کی اس وقت پوری نوعِ انسانی کو اشد ضرورت ہے کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو کاروانِ انسانیت کو کرب و اضطراب کے تپتے صحرا سے نجات دلا سکتا ہے۔

بنا بریں آج اقوامِ عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اگر ممکن ہے تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ اسلامی تصوف ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ آج دنیا میں اسلام جس قدر بھی

پھیل رہا ہے صرف اور صرف تصوف و روحانیت ہی کے بل بوتے پر پھیل رہا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں تصوف کے علمبردار اولیاء عظام اور صوفیاء کرام ہیں۔ تکمیل وحی اور ختم رسالت کے بعد پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کا کام انہی وارثان نبوت کو سونپا گیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ضرورت پڑی یہ گروہِ اولیاء حق کی نصرت و حمایت میں سینہ سپر ہو گیا۔ ملت کو جو بھی آزار پہنچا یہی اس کا مداوا بنے۔ ان نفوس قدسیہ نے اسلام کی سربلندی اور امت کی اصلاح کے لیے قریہ قریہ روحانی تربیت کے مراکز قائم کیے۔ آج بھی پورے عالم اسلام میں دین کی بہار اور روحانیت کی مہکار انہی پاکیزہ ہستیوں کے آستانوں سے قائم ہے۔

انہی باکمال نفوس قدسیہ میں خانوادۂ صدیقی کے گلِ سرسبد، سلسلۂ طریقت مجددیہ کی روشن کڑی اور کشمیر کے ماہتاب رشد وہدایت حضور قبلۂ عالم خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کا خاندان ہمیشہ دنیوی شرف و امتیاز، علمی فضل و کمال اور روحانی دعوت و ارشاد کا سنگم رہا۔ مخلوق خدا ہر دور میں اس عظیم خانوادے سے فیضیاب ہوتی رہی تاآنکہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف کے علوم و کمالات اور روحانی میراث کے امین ٹھہرے۔ آپ نے چیچیاں کی بستی میں روحانی مرکز قائم کیا اور جس خاموش لیکن انتہائی مؤثر انداز میں اشاعت اسلام، تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفوس اور تعمیرِ سیرت و کردار کا عظیم کام سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اس عالمِ ناسوت میں قریباً ۶۴ سال جلوہ گر رہے۔ آپکی

حیات مبارکہ از ابتدا تا انتہا زہد و ریاضت، حکمت و معرفت اور رشد و ہدایت کی مسلسل کہانی ہے۔ ایک ایک نقش حیات اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاکیزہ سانچے میں ڈھلا ہوا اور صبغۃ اللہ کی مقدس قوس قزح میں رنگا ہوا تھا۔ آپ کی زندگی عبدیت و روحانیت کا پیکر محسوس اور فنا فی اللہ و بقا باللہ کی کامل تصویر تھی۔ لمحہ لمحہ اطاعت، نفس نفس مجاہدہ، قدم قدم اتباع سنت، نظر نظر توجہ الی اللہ اور دم دم ذکرِ الٰہی، غرض ہر سانس اطاعت میں بسر ہوتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے "بندے کا کوئی سانس اللہ اللہ سے خالی نہ جاتے اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو اس مقصد سے اسکی توجہ ہٹا دے۔" خود ہر وقت تعلق باللہ اور مشاہدۂ حق کی پہنائیوں میں مستغرق رہتے اور سنگیوں کو ہمیشہ ذکر و فکر، یادِ آخرت اور توجہ الی اللہ کی تلقین و ریاضت کرواتے۔ زہد و توکل آپ کا شیوہ، فقر و قناعت آپ کا اثاثہ، عجز و تواضع آپ کا کردار، خودداری و استغنا آپکی شناخت اور اتباع سنت آپ کا طرز حیات تھا۔ چلنا پھرنا، سونا جاگنا اور کھانا پینا غرض حیات طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو اتباع سنت اور پیروی شریعت کے نور سے مستنیر نہ ہو۔ ایک ایک نقش عمل سیرت مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رنگ میں رنگا ہوا، ہر ہر ادا سنت مطہرہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور ظاہر و باطن اتباع شریعت سے آراستہ و پیراستہ تھا۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ مادر زاد ولی کامل تھے۔ پھر آپ سلسلہ قادریہ کی خاندانی نسبت اور سلسلہ نقشبندیہ میں زبیری اور سیفی دو نسبتوں سے سلوک مجددیہ کے امین و وارث تھے اور طریقہ مجددیہ ہی کے مطابق سنگیوں کو بیعت و تلقین فرماتے اور ان کی روحانی اصلاح و تربیت کا کام کرتے۔ یوں تو سبھی سلاسل تصوف مبارک اور نُور علیٰ نور

ہیں لیکن طریقہ عالیہ نقشبندیہ کئی اعتبار سے خصوصی تفرد وامتیاز ہے۔ اس کی نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچتی ہے اور اسلیے باقی تمام نسبتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس طریقہ عالیہ کا مدار اتباع سنت، دوام حضور اور جذبہ الٰہی پر ہے۔ دوسروں کی نہایت اسکی بدایت میں مندرج ہے۔ لہذا یہ سلسلہ حصول مقاصد کیلئے سب سے اقرب، سب سے اقویٰ اور یقیناً موصل ہے۔ سرخیل سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"طریقہ ما عروۃ الوثقی است۔۔۔۔ در طریقہ ما محرومی نیست۔ ہر کہ از طریقہ ما رو گرداند، خطرہ دیں دارد، چراکہ ایں طریقہ بعینہ طریقہ صحابہ کبار است"۔

یعنی ہمارا طریقہ عروۃ الوثقی ہے۔ اس میں محرومی کا امکان نہیں۔ ہمارے سلسلہ عالیہ سے روگردانی کرنے والے کا دین خطرہ میں ہے کیونکہ یہ بعینہ صحابہ کبار کا طریقہ ہے۔

حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو یہ منفرد اور انمول نسخہ کیمیا بارگاہِ الٰہی میں مسلسل التجا اور تضرع وزاری کے بعد میسر آیا۔ آپ کا احساس تھا کہ زمانہ نبوت سے دوری کے ساتھ ساتھ لوگوں کی ہمت وارادت اور ذوق وشوق میں کمزوری آتی جارہی ہے لہذا اب تکمیل سلوک کے لیے کوئی ایسا طریقہ درکار ہے جو نہایت آسان، قوی الاثر اور قریب الوصول ہو چنانچہ بارگاہِ الٰہی سے بطور خاص حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو سلوک نقشبندیہ عطا ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس دور آخر میں انسانی طبائع، مخصوص حالات، معاشرتی تقاضوں اور جدید نفسیاتی مناہج سے پوری طرح ہم آہنگ یہی طریقہ

Marfat.com

عالیہ ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں اس لیے اشارات پر ہی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ دور جدید میں انسانی معاشرت جس قدر تہ در تہ پیچیدگیوں کا شکار ہے۔ دنیا کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات جس نہج پر ڈھل چکے ہیں اور جدید نفسی مناہج تربیت پر جو رجحان غالب ہے ان سب کا اہم ترین تقاضا انسانی شخصیت کی "دروں بینی" ہے۔ اور فی الواقع تمام سلاسل طریقت میں صرف سلسلۂ نقشبندیہ ہی "ذکر خفی"، "وقوفِ قلبی"، "خلوت درانجمن" اور "سیرا نفسی" کی بدولت عہد حاضر کے اس اہم تقاضے سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اس کی واضح ترین مثال وسطِ ایشیا کی مسلم ریاستوں میں ستر (۷۰) سال سے زیادہ عرصہ تک کمیونسٹ اقتدار اور تاریخ انسانی کے بد ترین مذہبی تشدد اور سماجی جبر کے باوجود اسلام کا بطور روحانی قوت نہ صرف موجود بلکہ زیر عمل رہنا ہے۔ مشیت ایزدی کی تکوینی حکمت نے ان علاقوں میں سلسلۂ نقشبندیہ ہی کو سب سے زیادہ فروغ بخشا جس کی بدولت روسی جبر و تسلط اور شدید مذہب بیزار پالیسی کے باوجود مسلمان طریقۂ نقشبندیہ کے مطابق ذکر خفی اور نفسی و باطنی اعمال واشغال پر کاربند رہے۔ اور یوں ان کے سینوں میں نہ صرف ایمان کی حرارت اور مذہب کی تعلیمات زندہ رہیں بلکہ دینی محبت اور روحانی ذوق وشوق نمو پاتا رہا۔

باقی رہا دور حاضر میں انسانی طبائع کی پستی اور کم ہمتی کا معاملہ تو اس سلسلے میں ہندوستان کے اندر طریقۂ نقشبندیہ کے مروج حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ آپ سائلوں کو دوران ذکر اپنی ہمت و توجہ کے نفوذ اور جذبہ وحال کی تاثیر سے ہی سلوک کی منازل طے کرا دیتے اور فرمایا کرتے: "اس زمانہ میں اہل ارادت کی

Marfat.com

ہمتیں کمزور ہیں۔ اسلیے فرطِ شفقت نے مجھے اس پر آمادہ کیا ہے کہ بے مجاہدہ اور بغیر سعی بسیار کے مقصود تک پہنچا دیا جائے۔" بعینہ یہی چیز ہم دورِ آخر کے مسیحا حضرت خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ کے ہاں پاتے ہیں۔ آپ نے خانقاہی تربیت کا نظام بھی قائم فرمایا لیکن زیادہ تر سالکین کی روحانی تربیت اپنی ہمت و توجہ کے نفوذ، اپنی پاکیزہ نسبت کی تاثیر اور اپنے باطنی تصرف کے ذریعے فرمائی۔ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت دو آتشہ، صحبت انتہائی مؤثر اور توجہ انقلاب انگیز تھی۔ جو بھی قریب آتا اسے نگاہِ باطن اور فیضِ روحانی سے نہال فرما دیتے۔ آپکے پاس بیٹھنے والوں کے دل خشیتِ الٰہی میں ڈوب جاتے، فکرِ آخرت بیدار ہوتا، روحانی ذوق و شوق پروان چڑھتا اور شریعت پر استقامت نصیب ہو جاتی۔ یوں آپ کے نفسِ مسیحا اور نظرِ کیمیا اثر نے ہزاروں افراد کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور سینکڑوں طالبانِ ہدایت کو منزلِ عرفان و طریقت سے ہمکنار کر دیا۔

غرض یہ مردِ مومن ربع صدی سے زیادہ عرصے تک سراپا فیض اور مجسم افادہ بنے گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کی مسیحائی فرماتے رہے۔ جو بھی اس چشمۂ فیض پر آیا اپنے نصیب اور استعداد کے مطابق سیراب ہو کر گیا اور یہ چشمۂ آبِ حیات حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آج بھی پوری قوت اور روانی سے جاری ہے۔ آپ کے خلفِ رشید سیدی مرشدی حضور خواجۂ عالم قبلہ محمد صادق صاحب دامت انوارہم القدسیہ فیوضِ نبوت کے امینِ صادق اور طالبانِ حق کے رہبرِ کامل ہیں۔ پسر آئینۂ پدر ہے۔ ظاہر جمالِ شریعت سے تابندہ اور باطن کمالِ ولایت سے رخشندہ۔ ذکرِ الٰہی آپ کا وظیفہ، اتباعِ سنت آپ کا طریقہ اور حفظِ شریعت آپ کا ورثہ ہے۔ دل حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

معمور، ذہن علم و حکمت سے بھرپور اور مزاج عالی شہرت کے تصور سے نفور ہے۔ آپ کا وجود گرامی بلا شبہ اس عہد میں حجت الٰہی اور قیوم دوراں ہے۔ تشنگان عشق و معرفت کے لیے سراپا فیض، گم گشتگان راہ کے ہادی اور غمزدگان دہر کے مسیحا۔ فقر غیور کے پیکر، رشد وہدایت کے مظہر اور عمل و عرفان کی شمع روشن، غرض یہ کہنے سننے کی نہیں، آنے اور پانے کی بات ہے۔

؎ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

والسلام

سگ دربار سلطانی

سید عبدالرحمٰن بخاری

قائداعظم لائبریری، لاہور

۷، جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ
مطابق ۳ دسمبر ۱۹۹۲ء
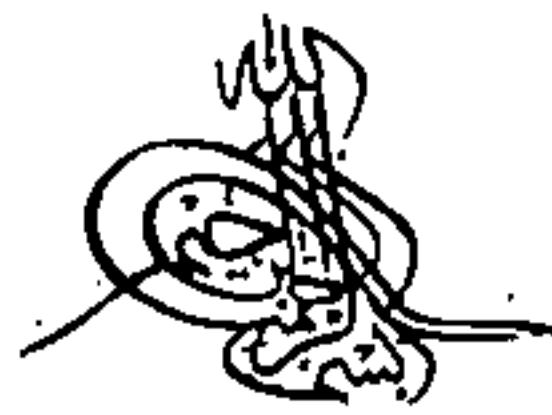
افتتاحیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ:

تمام تعریفیں اس قادر و کریم ذات کے لئے جس نے ہفت آسمانوں کو بغیر ستون کے قرار بخشا اور زمین کو پانی پر ٹھہرایا۔ پھر آسمان کو چاند، سورج اور ستاروں سے مزین کیا اور زمین کو بنی نوعِ انسان کے وجود سے رونق عطا کی۔ اٹھارہ ہزار جہانوں میں انسان کو اشرف المخلوقات کا اعزاز بخشا اور نوعِ انسانی کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خاتم الانبیاء بنا کر ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

لاکھوں درود و سلام اس پیغمبر اکرم واطہر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر جو شفیع المذنبین ہیں۔ ہزاروں رحمتیں ان کی آلِ اطہار اور اصحابِ کرام بالخصوص حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذوات قدسیہ پر جنہوں نے اپنی کمال کوشش سے دینِ پاک کو فروغ و استحکام بخشا۔

حمد و ثنا کے بعد خاکسار بقا محمد عرض پرداز ہے کہ اس تصنیف کا مدعا اپنے آپ کو علماء اور مصنفین کے زمرہ میں شامل کرنا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ علم تصوف اور راہِ طریقت کے بنیادی اصول و قواعد اور جادۂ سلوک کے شرائط و ضوابط نہایت سادہ، مختصر اور عام فہم انداز میں بیان کر کے طالبانِ راہِ حق کے لئے رہنمائی کا سامان اور اپنے لئے سرمایہ۔ سعادت اور توشہ۔ آخرت مہیا کروں۔ سو اپنے پیر و مرشد رہبرِ کامل قبلہ۔ عالم دامت انوارھم القدسیہ کے اذن و عنایت سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

فصل اول :

بیعت

ا۔ طلب علم

یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اور صرف عبادت کیلئے تخلیق کیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات : ۵۶)

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

پس انسان کو چاہیے کہ وہ ہر آن اپنے مقصدِ حیات کا شعور رکھے تاکہ انسانیت کی بلند سطح سے گر کر حیوانیت کی پستیوں اور جہالت کی تاریکیوں میں گم نہ ہو جائے۔ دانائی اسی میں ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنے مقصدِ زندگی کی تکمیل میں کوشاں رہے۔

دنیا کی ہر چیز کا وجود دو اجزا کا مرکب ہے : ایک ظاہری ہیئت، دوسرے باطنی حقیقت۔ دین کے تمام احکام و اعمال کی یہی کیفیت ہے۔ عبادت کا بھی یہی حال ہے۔ عبادت کی ہر صورت کے کچھ ظاہری ارکان و آداب ہیں اور کچھ باطنی حقائق و اسرار۔ انسان کے لئے ظاہری احکام اور باطنی احوال دونوں کا علم یکساں ضروری ہے کیونکہ ظاہر و باطن دونوں کی رعایت سے عمل کی تکمیل ہوتی ہے۔ علم ظاہر مسائلِ شرعیہ، حلال و

حرام اور عبادات و معاملات کے احکام سے متعلق اور علمِ باطن آدابِ سلوک سے وابستہ ہے۔ انسان کے مقصدِ حیات کی تکمیل دونوں قسم کے علم پر موقوف ہے۔ علم شریعت کے بغیر انسان کو آگہی کا نور نہیں ملتا اور علم باطن کے بغیر عمل کا جوہر ہاتھ نہیں آتا۔

اس بات کی وضاحت ایک مثال سے سمجھیے کہ شریعت دودھ کی مثل، طریقت دہی کی مانند، حقیقت مکھن جیسی اور معرفت خالص گھی کی طرح ہے۔ سو جس طرح تخم شجر کے بغیر اس کا ثمر نہیں ملتا اسی طرح اگر دودھ ہی موجود نہ ہو تو دہی، مکھن، گھی وغیرہ کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس لئے مقصدِ حیات کی راہ پر جادہ پیما ہونے کے لئے سب سے پہلا قدم علمِ شریعت کا حصول ہے۔ اگر شریعت کا علم میسر نہ ہو تو انسان زندگی کی طویل راہوں میں کسی موڑ پر ابلیس کے دامِ فریب سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہر قدم پر یقین وایمان کو خطرہ لاحق رہے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان پہلے حتی المقدور احکام شریعت کا علم حاصل کر کے علم باطن کی طرف رجوع کرے کہ جادۂ زیست پر پہلا قدم اٹھائے بغیر سفرِ روحانیت طے نہیں ہو سکتا۔

لیکن یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ احکام شریعت کا علم بالذات مقصود نہیں بلکہ بطور وسیلہ عمل کے مطلوب ہے۔ اور عمل کی تکمیل علم باطن پر موقوف ہے، کہ وہی علمِ حال ہے۔ علم ظاہر، احکام و اعمال سے آگاہی تو بخشتا ہے لیکن قوائے نفسانی کا تزکیہ اور امراضِ قلبی کا ازالہ نہیں کرتا۔ محرکاتِ عمل کو اجاگر کرنا اور اخلاق روحانی کو جلا بخشنا علم باطن کا کام ہے۔ پس ایک انسان کو ظاہری علم جتنا بھی زیادہ حاصل ہو، جب تک اسے عرفانِ باطن میسر نہ آئے تب تک اس کی قلبی و روحانی بیماریاں دور نہ ہوں گی اور اس کے نیک اعمال اپنی باطنی آلائشوں کے باعث شرف قبولیت نہ پا سکیں گے۔ اس کو ایک

Marfat.com

مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ خشکی کی سواریاں سمندر میں کام نہیں آتیں۔ وہاں تو بحری سفر کے ذرائع استعمال کرنے ہوں گے۔ اسی طرح احکام کا ظاہری علم احوالِ باطن کے سمندر میں غواصی کے لئے کافی نہیں۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ شریعت کا علم ظاہر سیکھنے کے بعد تکمیلِ دین کے لئے طریقت کا علمِ باطن بھی ضرور حاصل کریں۔

Marfat.com
Marfat.com

۲۔ اثبات بیعت

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (الفتح : ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جس نے بیعت توڑی اس کا وبال اسی پر ہو گا اور جس نے اس عہد کو پورا کیا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا (تھا) تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بڑا اجر دے گا۔

اس آیت کریمہ سے بیعت کے جواز اور اس کی فضیلت و اہمیت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ ایک طرف فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے اور دوسری جانب بتا دیا کہ بیعت ایک معاہدہ ہے جس کی پاسداری کرنا ضروری ہے۔ بیعت دراصل کسی واقفِ راہ کو اپنا رہبر و نگراں بنا لینا اور اس کی مکمل پیروی کرنا ہے تاکہ گمراہی سے حفاظت اور راستہ طے کرنے میں سہولت ہو۔ راہِ سلوک میں بیعت ایک لازمی امر ہے۔ اس کے بغیر شیخ سے وابستگی پیدا نہیں ہوتی۔ بیعت ہی سے شیخ کی توجہ میسر آتی اور مرید میں وفاداری و

Marfat.com

جواب دہی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ منزلِ مقصود تک رسائی کے لئے تقویٰ واخلاق، اعمال واطوار، عبادت وریاضت اور وظائف واشغال کی حیثیت زادِ راہ کی ہے جس کا میسر آنا، باقی رہنا اور بار آور ہونا سراسر شیخ کی توجہ، اس کے ربط و تعلق اور اس کی اطاعت پر موقوف ہے اور اس سب کا انحصار معاہدۂ بیعت پر ہے۔

بعض ظاہر بیں حضرات بیعت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن و حدیث کی پیروی کافی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سنت ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر اہل ایمان سے بیعت لی۔ ہجرت، جہاد، جنگ میں ثابت قدمی، ارکان اسلام کی پابندی، گناہوں سے اجتناب، مخلوق خدا کی خیر خواہی، امر بالمعرف اور نہی عن المنکر غرض تقویٰ و اخلاق اور سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے لی جانے والی بیعت ہی کی اتباع میں صوفیاء کرام نے تقویٰ و پارسائی اور تزکیۂ نفس کی بیعت، جسے اصطلاح میں "بیعت سلوک" یا "بیعت طریقت" سے تعبیر کرتے ہیں، کا پاکیزہ سلسلہ شروع کیا۔ تو جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمیشہ کے لئے ہے اسی طرح بیعت کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لئے ہے۔

پھر اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ بیعت کے بغیر کوئی شخص مقاماتِ فقر ولایت اور منازل سلوک وروحانیت ہرگز طے نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء کرام اور بزرگان دین نے بیعت کی اور بیعت لی۔ تمام سلاسلِ طریقت میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تا بزرگان حال سلسلہ۔ بیعت قائم ہے کہ

یہی نسبتِ روحانی کی تحصیل و تفویض کا واحد طریق ہے۔ چودہ صدیوں پر محیط یہ عملی تواتر دین میں بیعتِ تقویٰ کے ثبوت و جواز کی بہت بڑی سند ہے۔ آخر تمام اکابرین کوئی عبث کام تو نہیں کرتے رہے۔ جو لوگ بیعت سلوک کے منکر ہیں وہ دراصل جہالت میں گرفتار ہیں۔ اگر ان کا بخت یاوری کرتا اور انہیں بصیرت حاصل ہوتی تو وہ ضرور اس راز سے آگاہ ہو جاتے اور اس بادۂ روحانیت کا مزہ چکھ لیتے اور یوں ان کے دل سے تمام بدگمانی نکل جاتی مگر کیا کیا جائے کہ ؎

نہ ہر سر بود لائق پادشاہی
نہ ہر دل تواں یافت گنجِ الٰہی

۳۔ عورتوں کو بیعت کرنا

بیعتِ سلوک کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو تقویٰ و پارسائی اور اخلاق و اعمال کے پاکیزہ سانچے میں ڈھالنے کی عملی تربیت حاصل کرے اور قرب و معرفت الٰہی کی نادیدہ منزلیں کسی مرشدِ حق آگاہ کی راہنمائی میں طے کر سکے۔ چونکہ ایمان و اخلاق اور عبادت و معرفت الٰہی کا حصول مرد اور عورت دونوں کی یکساں ذمہ داری ہے۔ تقویٰ اور دینی زندگی کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا مردوں کی طرح عورتوں پر بھی لازم ہے۔ اخروی فلاح و کامرانی اور نجات و سعادت ہر ایک کو درکار ہے۔ اس لئے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی کسی رہبرِ کامل کی بیعت کرنا ضروری ہے۔ جس طرح حصولِ علم کی خاطر عورتوں کو ظاہری استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی فیض اور ایمانی و اخلاقی تربیت کے لئے انہیں شیخِ کامل کی راہنمائی بھی درکار ہے۔ دین وایمان اور اخلاق و اعمال کے دائرے میں عورتیں مردوں کے تابع نہیں بلکہ مستقل شخصیت اور جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں عورتوں کے لئے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے، اخلاق و اعمال حسنہ کو اپنانے، گناہوں سے اجتناب برتنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی مستقل اور جداگانہ بیعت مقرر کی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ

بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ
بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ
فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(الممتحنۃ : ۱۲)

یعنی اے حبیب پاک صلی اللہ علیک وسلم ! جب مسلمان عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان باتوں پر بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ نہ ایسا بہتان لائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان کسب کریں اور کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر عورتوں سے ایمان و تقویٰ اور نیکی و پارسائی کی بیعت لینے کی تلقین کی گئی ہے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو یکساں طور پر اوامر و نواہی کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ احکام شرعیہ کی پابندی میں دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ پھر ایمان و تقویٰ کی بیعت کرنا دونوں کے لئے کیوں نہ ضروری قرار پاتے؟ پس جو لوگ عورتوں کی بیعت کے منکر ہیں وہ درحقیقت اسلام و ایمان اور دین و شریعت کے تقاضوں سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح مردوں سے مختلف مواقع پر بیعت لیا کرتے تھے اسی طرح ارشادِ خداوندی کے

Marfat.com

مطابق عورتوں سے بھی ایمان و تقویٰ، ہجرت، نیکی و پارسائی اور اطاعت وفرمانبرداری کی بیعت لیا کرتے تھے۔ یہی بیعت سنت ہے جو سلاسل طریقت میں جاری ہے۔ صوفیاء کرام جو ایک قدم بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے وہ اتنا بڑا عمل بغیر اتباعِ سنت کے کیونکر انجام دے سکتے ہیں؟ لہٰذا تمام اہل ایمان مستورات کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی شک و شبہ کے پیرِ کامل سے بیعت کر کے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی خاطر مجاہدہ وریاضت کریں۔

عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں پردہ کے پیچھے بٹھایا جائے اور محرم کی موجودگی میں اس طرح بیعت کیا جائے کہ کوئی بڑا کپڑا مثلاً چادر وغیرہ کا ایک سرا شیخ کے ہاتھ میں ہو اور دوسرا کنارہ مستورات پکڑیں۔ اب شیخ انہیں چار کلمے اور ایمان مجمل ومفصل پڑھا کر توبہ واستغفار کرائے۔ پھر طریقہ قبول کرائے اور اذکار واعمال کی تعلیم دے تاکہ ذکر کی برکت سے ان کا تصفیۂ قلب ہو اور اعمال خیر پر استقامت انہیں محبت وقرب الٰہی سے ہمکنار کرے۔

۴۔ تکرار بیعت

ایک شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد کسی دوسرے سلسلے میں یا کسی اور شیخ سے بیعت کرنا تکرار بیعت یا تجدید بیعت کہلاتا ہے اور یہ درج ذیل صورتوں میں جائز ہے:-

۱۔ اگر کسی نے بچپن یا کم سنی میں ایک شیخ سے بیعت کی ہو اور بالغ ہونے کے بعد دوسری جگہ بیعت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

۲۔ اگر کسی کے مجبور کرنے پر یا محض تبرکاً کسی شخص سے بیعت کر لے مگر بیعت کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے ناواقف ہو تو بعد میں پورے شعور و آگہی کے ساتھ تجدید بیعت کر سکتا ہے۔

۳۔ پیشوا کا انتقال ہو جائے اور مرید کا سلوک نا تمام رہ گیا ہو اور وہ اپنے شیخ کی روحانیت سے کسب فیض کی استعداد بھی نہ رکھتا ہو تو دوسری جگہ بیعت کر سکتا ہے۔

۴۔ شیخ اول لا پتہ ہو جائے یا اس سے ملاقات اور رابطہ ممکن نہ ہو تو بھی تکرار بیعت جائز ہے۔

۵۔ اگر شیخ کسی مرید کے ساتھ مسلسل اور متواتر بے توجہی برتے۔ اس کی روحانی اصلاح و تربیت میں دلچسپی نہ لے۔ اسے مقامات سلوک طے کرانے سے گریز کرے تو وہ دوسرے شیخ کی طرف رجوع اور بیعت کر سکتا ہے۔

اگر کسی شخص کو کامل پیشوا سمجھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہو اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ صاحبِ نسبت یا مجازِ تربیت نہیں ہے یا وہ رموز طریقت سے بے بہرہ اور سلوک میں ناقص ہے تو اس صورت میں مرید کو فسخِ ارادت اور تجدید بیعت کا حق حاصل ہے۔

اگر کوئی سالک طریقت میں دلچسپی اور حصولِ نسبت کا شوق رکھتا ہو تو کسی ایک طریقے میں بیعت کے بعد دوسرے سلسلے میں بھی بیعت کر سکتا ہے۔

یہ تھیں تجدید بیعت کی چند صورتیں، مگر یہ بات واضح رہے کہ بغیر کسی عذر کے ...لرر بیعت کرنا درست نہیں کیونکہ جا بجا بیعت کرنے سے روحانی برکت اٹھ جاتی ہے۔ ...ز جس طالبِ حق کو اپنے شیخ سے باطنی فیض پہنچ رہا ہو اُسے بلاوجہ اِدھر اُدھر پھرنے اور ...لہ جگہ مرید ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ پہلی بیعت قائم رکھتے ہوئے کسی ...سرے شیخ سے فیض لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اکثر اولیاء کرام اور بزرگانِ ...یقت نے متعدد مشائخ سے بیعت کی اور روحانی فیوض حاصل کئے۔ چنانچہ حضرت ...وث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے بڑھ کر کون صاحبِ کمال ہو گا، مگر ...پ نے بھی متعدد بزرگوں سے فیض پایا ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ ...لیہ، حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ اور بیسیوں دیگر اکابر طریقت نے کئی ...شائخ سے بیعت کی۔

بنا بریں متعدد پیشواؤں سے فیض لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم بلا عذر تکرار بیعت ...ا کرے۔ ہاں اگر پہلی جگہ سے فیض میسر نہ ہو تو کسبِ سلوک اور حصولِ فیض کے لئے

دوسری جگہ بیعت کرنی چاہیئے۔
ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ فرماتے ہیں کہ طریقہ۔ مجددیہ تمام سلسلوں سے افضل و برتر ہے کیونکہ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے۔ بہت جلد فیض ملتا اور اس میں چاروں سلاسل کا فیض سمٹ آتا ہے۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے بقول یہ طریقہ عالیہ دیگر سب طریقوں سے فائق و ممتاز ہے کہ اوروں کی انتہا اس کی ابتداء میں مندرج ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ مرشد کامل ہو۔ ؎

مرد مرشد می برد در ہر مقام
مرشد نامرد طالبِ زر تمام

یعنی مرشد مرد ہو تو وہ مرید کو ولایت کے ہر مقام پر پہنچا دیتا ہے اور نامرد مرشد تو بس زر کے طالب ہوتے ہیں۔

پس اے طالبانِ سلوک! اچھی طرح سوچ سمجھ کر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ غفلت و لاعلمی میں کسی بوالہوس یا ناقص کے ہاتھ چڑھ جاؤ اور سب کچھ لٹا بیٹھو۔ اگر تم فی الواقع تکمیلِ سلوک کے خواہاں، کسبِ فیض کے متمنی اور وصالِ باری تعالیٰ کے شیدائی ہو تو ہمارے پیرومرشد، رہبرِ کامل، پیکرِ سنت حضور قبلہ۔ عالم خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ کے چشمہ۔ فیض پر آؤ اور معرفت و روحانیت کے بادۂ طہور سے سیراب ہو کر جاؤ۔ یہاں محبت الٰہی اور زہد و تقویٰ کی سوغات بٹتی ہے۔ یہاں پیروئ شریعت اور اتباعِ سنت کے پیکر تراشے جاتے ہیں۔ لاکھوں طالبان حقیقت اس منبع رشد وہدایت سے

فیض یاب اور ہزاروں خوش نصیب اس میخانہ۔ عرفان سے شرابِ عشق کے جام نوش کر کے مخمور ہوتے۔(۱)

(۱)۔ یہ چشمہ۔ آب حیات حضور قبلہ۔ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آج بھی پوری قوت اور روانی سے جاری ہے۔ تشنگانِ عشق و معرفت آتے ہیں اور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ کی روحانیت کے نقشِ ثانی رہبرِ کامل سیدی مرشدی حضرت خواجہ۔ عالم قبلہ محمد صادق صاحب دامت انوارھم القائضہ کی نگاہِ فیض گستر سے سیراب ہو کر لوٹتے ہیں۔ ہدایت کی شمع روشن اور معرفت کا گلزار مہک رہا ہے۔ اصلاح معاشرت، تعلیم دین اور تعمیر سیرت کا انتہائی مربوط اور مؤثر نظام جاری ہے۔ سینکڑوں مساجد و مدارس سے علم و حکمت کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں اور عرفان و محبت کی دولتیں بٹ رہی ہیں۔ الغرض قبلہ حضرت صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے زیر سایہ اس وقت احیاء۔ اسلام اور ملی بیداری کے لئے آفاقی تحریک چل رہی ہے۔ اور روحانیت کی نسیم سبک خرام لاکھوں انسانوں کے مشام جاں کو معطر کر رہی ہے اور بقول حضرت ابوالحسن زید فاروقی صاحب دامت انوارھم القدسیہ "یہ سب بہاریں حضرت خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ کے دم سے ہیں"۔

فصل دوم:

شیخ

ا۔ ضرورتِ شیخ

انسان فطری طور پر دنیا کا کوئی بھی فن، ہنر یا علم سیکھنے کے لئے استاد کا محتاج ہے۔ کتابوں کے اوراق والفاظ اگر حصولِ علم کا ذریعہ ہیں تو استاد تعلیم کا سرچشمہ ہے۔ معلم کے بغیر کسی بھی علم و فن کی گتھیاں سلجھ نہیں سکتیں۔ استاد کے بغیر کوئی بھی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ بقول شاعر ؎

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد

یقیں دانم کہ بے بنیاد باشد

یعنی جو کام بغیر استاد و رہنما کے طے پاتے میرا یقین ہے کہ وہ بے بنیاد ہی ہو گا۔
پس انسان کو لازم ہے کہ احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لئے ظاہری استاد کی پیروی کرے اور علم شریعت سیکھنے کے بعد کسی شیخ کامل سے طریقت کا علم حاصل کرے۔ ظاہری استاد سے علم باطن کی تکمیل نہیں ہو سکتی کہ جو شخص خود جادۂ طریقت سے آشنا نہ ہو وہ دوسروں کو اس کے اسرار و حقائق سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح انسان کے امراضِ جسمانی کا معالج اس کی ذہنی و روحانی بیماریوں کا مداوا نہیں کر سکتا بلکہ

ان کے علاج کے لئے طبیبِ روحانی درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح ظاہری علوم وفنون کا استاد باطنی حقائق کی تعلیم دینے سے قاصر ہے اور سچ تو یہ ہے کہ پیرِ کامل بیک وقت روحانی حکیم بھی ہوتا ہے اور باطنی معلم بھی۔ وہ پہلے داغوں سے زنگ کھرچتا اور دلوں کو غواشات کی آلودگیوں سے پاک کرتا ہے۔ پھر وہ اذہان کو باطنی معارف سے روشن اور قلوب کو روحانی احوال سے مزین کرتا ہے۔ اس لئے پیرِ کامل کے بغیر کسی کو فیض نہیں ملتا۔ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ آج تک کسی ولی، غوث، قطب یا ابدال نے مرشد کے بغیر کمال حاصل نہیں کیا۔ ہر ایک کو روحانی فیض مرشد ہی کے وسیلے سے میسر آیا۔

پھر یہ بھی ہے کہ طریقت ایک سلوک یعنی وادیٔ روحانیت کی جادہ پیمائی ہے۔ یہ معرفت و قربِ الٰہی کی نادیدہ راہوں کا سفر ہے اور راستہ بھی ایسا جو قدم قدم خطرات کی آماجگاہ ہے۔ ہر فراز پہ سنگباری اور ہر نشیب میں لغزشِ قدم کے ہزار اندیشے ہیں۔ ہر موڑ پر ابلیسی جتھے دامِ فریب بچھاتے ہوتے ہیں۔ ایسا مشکل اور خطرناک سفر کسی رہبر و رہنما کے بغیر ہرگز طے نہیں ہو سکتا۔ جب دنیائے محسوسات کا یہ عالم ہے کہ کسی اجنبی علاقے میں خشکی یا تری کا معمولی سفر بھی انسان کسی واقف حال راہنما کی مدد کے بغیر نہیں کرتا تو پھر بھلا طریقت و روحانیت کا باطنی سفر ایک مرشدِ حق آگاہ کے بغیر کیونکر طے ہو سکتا ہے، جہاں قدم قدم رہنمائی اور گام گام سنبھالنے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

اُطْلُبِ الرَّفِيْقَ ثُمَّ الطَّرِيْقَ۔

یعنی پہلے رفیقِ سفر تلاش کرو۔ اس کے بعد سفر اختیار کرو۔

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اہل ایمان کو تقویٰ اور قرب الٰہی کے راستے پر چلنے کے لئے وسیلہ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ وَجَـٰهِدُوا۟ فِى سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(المائدہ : ۳۵)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس تک رسائی کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ قدس تک رسائی کے لئے اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے اور وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح دنیاوی معاملات میں شخصی ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے، جیسے عدالتوں سے اپنے تنازعات کے فیصلے کرانے کے لئے لوگ ہمیشہ وکیلوں کا مجازی وسیلہ اختیار کرتے ہیں اسی طرح بارگاہِ ربِ ذوالجلال سے روحانی فیوض و برکات سمیٹنے کے لئے مرشدِ کامل کا وسیلہ درکار ہوتا ہے۔ شیخ کی ذات اپنے متوسلین کے لئے بارگاہ الٰہی تک پہنچنے کا حقیقی وسیلہ ہے کیونکہ وہ راہِ سلوک طے کر چکا ہے اور راستہ کے تمام نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہے۔ ع

کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

☆ ☆ ☆

۲: مرشدِ کامل

راہِ سلوک طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی کامل پیر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ اور اس کی رہنمائی و نگرانی میں تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لئے ریاضت و مجاہدہ کیا جائے۔ مرشدِ کامل کی شناخت کے لئے درج ذیل علامات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ اسے احکام شرعیہ کا صحیح اور گہرا علم حاصل ہو۔ اصول و قواعد، دلائل وماٰخذ اور احکام و مقاصدِ شریعت سے پوری طرح واقف ہو۔ کلیات و جزئیات میں تمیز اور معلوم سے نامعلوم تک رسائی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تاکہ مریدوں کو غلط عقائد، باطل افکار، مشتبہ احکام اور فاسد اعمال سے بچا سکے۔

۲۔ اہلسنت و جماعت کے مسلمہ عقائد اور سلف صالحین کے اندازِ فکر و طرز احساس کا حامل ہو۔ ائمہ ہدیٰ، اولیاء کرام اور علماء حق کا مسلک رکھتا ہو تاکہ لوگوں کو دین کے صحیح فہم و شعور سے بہرہ ور کر سکے۔

۳۔ تقویٰ و پرہیز گاری، حلم و بردباری، تسلیم و رضا، صدق و امانت، ہمت و استقامت اور عفت و پارسائی ایسے اعلیٰ اسلامی اخلاق و اوصاف سے پوری طرح آراستہ ہو تاکہ خود بھی ہر قسم کے فسادِ عمل و اخلاق سے پاک رہے اور مریدوں کو بھی اس سے محفوظ رکھ سکے۔

۴۔ دنیا طلبی، زراندوزی، شہرت و ناموری اور جاہ و منصب کی محبت سے بالکل پاک اور متنفر ہو تاکہ خود بھی ہر وقت یادِ مولیٰ اور فکرِ آخرت سے سرشار رہے اور مریدوں کو بھی ذکرِ الٰہی اور آخرت کی طلب و تیاری میں لگائے رکھے۔ جو شخص دنیا طلبی اور دنیا داری میں مگن ہو وہ بھلا روحانیت اور سلوک و طریقت سے کیا تعلق رکھتا ہے۔ ؎

با تو گویم بشنو اے روشن ضمیر

طالب دنیا کجا باشد فقیر

یعنی اے روشن ضمیر انسان میری بات اچھی طرح سن لے کہ طالبِ دنیا فقیر نہیں ہو سکتا۔

۵۔ صاحبِ نسبت ہو۔ یعنی اس نے کسی پیرِ کامل کی صحبت میں رہ کر عرصۂ دراز تک پوری محنت و لگن سے ریاضت و مجاہدہ کر کے سلوک کی تکمیل کی ہو اور مشائخِ کرام سے روحانی فیض پایا ہو۔ نیز اس کا سلسلۂ بیعت و طریقت اور سندِ ارشاد و اجازت اپنے پیر سے لے کر مسلسل کبار اولیاء کرام کے ذریعے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک ثابت ہو تاکہ وہ اس پاکیزہ نسبت کی بدولت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض پا کر آگے مریدوں کو اس سے بہرہ یاب کر سکے۔

۶۔ وہ نہایت شفقت و عنایت اور کمالِ توجہ سے اپنے مریدین و متوسلین کی فکری

عملی اور روحانی تربیت کا کام انجام دے۔ ان کے ظاہر و باطن پر نگاہ رکھے۔ اپنی ہمت و حال اور نگاہ عنایت سے انہیں فیضیاب کرتا رہے۔ ظاہری تربیت اور باطنی توجہ کے ذریعے انہیں سلوک کی تکمیل کرائے۔

۷۔ پیر کامل وہ ہے جس کا ظاہر و باطن اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ دار ہو۔ اس کی روح تجلیات حق سے منور اور چہرہ انوار باطن کی تابانی سے روشن ہو۔ اس کی مجلس میں بیٹھیں تو دل خشیت الٰہی میں ڈوب جائے اور اس کے چہرے پر نظر پڑے تو خدا یاد آجائے۔

پیر طریقت کی شرائط اور مرشدِ کامل کے اوصاف اور بھی بہت سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر انہی مذکورہ بالا اوصاف میں سمٹ آتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو شخص بھی راہ سلوک طے کرنے کا خواہاں اور قرب و رضائے حق سے بہرہ ور ہونے کا متمنی ہو۔ اسے چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنے ذہن و دل میں مرشد کامل کا ایک تصور اور معیار قائم کرلے جو مذکورہ بالا اوصاف و شرائط کے مطابق ہو۔ پھر اس کی طلب و آرزو اور تلاش و جستجو میں لگ جائے۔ جب کوئی ایسا راہبر مل جائے جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو تو اس کے دست حق پرست پر فوراً بیعت کرلے۔ پھر اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے تاکہ مرشد کی روحانی توجہ اور فیض تربیت سے پوری طرح بہرہ یاب ہوسکے۔ ناقص پیروں کے دام فریب سے ہمیشہ بچتا رہے کیونکہ

پیر کامل قلب را خورسندگی
مرشد ناقص بود شرمندگی

یعنی کامل پیر سے نسبت دل کو تازگی اور شادابی بخشتی ہے اور ناقص پیر تو بس موجبِ شرمندگی ہی ہوتا ہے۔

آج کا افسوسناک المیہ یہ ہے کہ لوگ روحانیت کے حصول اور کسب فیض کے لئے مرشد کامل کی جستجو نہیں کرتے۔ اکثر جاہل و بے عمل صوفیائے خام کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ دراصل عام لوگ کشف و کرامات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ سو جس میں کوئی عجیب بات نظر آئی، بغیر سوچے سمجھے اسی کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن کشف و کرامات اور خوارق عادات ہرگز مدارِ ولایت نہیں۔ یہ چیزیں تو حدسِ ذہنی اور حسی ریاضت کے علاوہ بعض پراسرار علوم و فنون کے بل بوتے پر بھی نمود پا لیتی ہیں۔ چنانچہ یوگا کی ورزشیں، ٹیلی پیتھی کے کرشمے، مسمریزم کے اثرات، جفر و کہانت کے اسرار اور نجوم و ستارہ شناسی کی مہارت کے علاوہ بعض پراسرار علوم و فنون اس طرح کے بے شمار عجیب و غریب کرتب دکھانے کی اہلیت رکھتے ہوتے بھی ولایت و تقویٰ اور رشد وہدایت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ پیر کامل کی پہچان کشف و کرامات ہے ہی نہیں۔ اللہ کریم اپنے برگزیدہ بندوں کو کشف و کرامات سے ضرور نوازتا ہے لیکن یہ اللہ والے بغیر کسی دینی ضرورت اور پاکیزہ مقصد کے اپنے کشف و کرامات کا عام مظاہرہ نہیں کرتے پھرتے۔ اگرچہ عام لوگ اولیاء صادقین کی خلوت پسندی، گوشہ نشینی اور

سادگی و بے نفسی کے باعث ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے مگر خداوند کریم کے ہاں ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔

ہر کہ باشد پسندِ خالق پاک
گر نہ باشد پسندِ خلق چہ باک

یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ قرار پایا ہو اگر لوگ اسے پسند نہ بھی کریں تو کیا حرج ہے۔

پس اے طالبان سلوک! گوشِ ہوش سے سن لو کہ ناقص پیر کسی کا نہیں ہوتا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے مریدوں کو بھی گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ چشمِ بصیرت سے دیکھو اور خوب دیکھ بھال کر کسی کو اپنا مرشد و راہبر بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ جلدی میں کسی ناقص کے ہاتھ میں ہاتھ دے بیٹھو اور آخر کار حسرت و ندامت کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نباید داد دست

کار مرداں روشنی و گرمی است
کارِ ناداں حیلہ و بے شرمی است

یعنی بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ کہ بظاہر آدمی اور بہ باطن ابلیس ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر پیر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔ خدا کے کامل بندوں میں معرفت کی

روشنی اور عشق الٰہی کی گرمی ہوتی ہے۔ اور جاہل پیروں کے پاس دنیا بٹورنے کے لئے طرح طرح کے حیلے ہوتے ہیں۔ وہ نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

بنا بریں طالبان سلوک کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کسی مرشد کامل کو تلاش کریں۔ یاد رکھیں کہ پیر کامل کی نشانی ایمان و تقویٰ اور احکام دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ ؎

از حدیث و آیتے تو بشنوی

مرد عارف آں بود بر دیں قوی

یعنی قرآن و حدیث سے سن لو کہ مرد عارف وہ ہوتا ہے جو دین پر مضبوطی سے قائم ہو۔

جب ایسا کامل شیخ میسر آجائے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اسے اپنا راہبر و رفیق راہ بنائیں۔ اس کی ہدایات پر بے چون و چرا عمل پیرا ہوں اور اس کا دامن تھام کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

طلب کن از مرد مرشد راہبر

تا ترا کلی شود از حق خبر

بے حضوری نظر مرشد خام تر

مرشد جامع رساند با نظر

یعنی کامل مرشد اور راہنما کو تلاش کرو تاکہ تمہیں حق کی صحیح معرفت حاصل ہو مرشد کے بغیر فکر و نظر غیر پختہ ہوتے ہیں اور کامل مرشد ہی مرید کو صحیح نظر بخشتا اور منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

Marfat.com

۳: آدابِ مرشد

بیعت کے بعد مرید کے لئے لازم ہے کہ اپنے شیخ کے آداب کا ہر وقت خیال رکھے۔ اس بارے میں ذرا بھی غفلت و لاپروائی دینی اور روحانی خسارے کا باعث ہے۔ مرید اگر آدابِ مرشد کا لحاظ نہ رکھے تو شیطان کے دام فریب میں پھنس کر ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یعنی اللہ تعالیٰ سے ہم ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب آدمی خدا کے فضل سے محروم ہی رہتا ہے۔ بے ادب تنہا خود ہی برباد نہیں ہوتا بلکہ تمام جہان میں آگ لگا دیتا ہے۔

مرید جتنا زیادہ اپنے شیخ کا ادب کرے گا اتنی ہی محبت بڑھے گی اور جس قدر زیادہ اس کے دل میں شیخ کی محبت و عقیدت ہو گی اتنا ہی جلد اسے طریقت میں کمال حاصل ہو گا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "راہِ سلوک میں سب سے اعلیٰ اور مؤثر ذریعہ محبت ہے۔ توجہ محبت کے بغیر کارگر نہیں ہوتی اور محبت بے توجہ بھی

کام کر جاتی ہے۔" (مکتوباتِ معصومیہ ص ۱۹۳)

غور کریں تو شریعت و طریقت سب مجموعہ۔ آداب ہیں اور دین حسنِ ادب کا نام ہے۔ پس جب تک آداب کی رعایت نہ کی جاتے کہیں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بے ادب روحانیت میں کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ہمیشہ رحمتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: "جس میں ادب نہیں اس کو شریعت کی کچھ خبر نہیں"۔ (فیض الکریم ص ۲۸)

جناب ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی استاد یا پیر طریقت سے ادب نہیں برتا وہ جھوٹا اور مکار ہے

اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اَدَبُ الْخِدْمَةِ اَعَزُّ مِنَ الْخِدْمَةِ (اللمع : ص ۲۲۴)

یعنی آدابِ خدمت ملحوظ رکھنا خدمت سے بڑھ کر ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا: "ہمیں عمل کی نسبت ادب کی زیادہ ضرورت ہے"۔ حضرت شیخ الشیوخ رحمہ اللہ کا قول ہے:

مَنْ لَا اَدَبَ لَهٗ لَا اِيْمَانَ لَهٗ وَلَا تَوْحِيْدَ لَهٗ

(رسالہ قشیریہ ص ۴۲۵)

یعنی جس میں ادب نہ ہو وہ ایمان اور عقیدہ توحید دونوں سے محروم ہے۔

اور خواجہ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اَلْعَبْدُ يَصِلُ بِطَاعَتِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ وَبِاَدَبِهٖ يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ

Marfat.com

یعنی بندہ اطاعت کی راہ سے جنت تک پہنچتا ہے اور حسنِ ادب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرلیتا ہے

اور ابو حفص حدّاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ظاہر کا حسنِ ادب باطن کے حسنِ ادب کی علامت ہے۔ یہ بات ایک حدیثِ پاک سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

لَوْخَشَعَ قَلْبُہٗ لَخَشَعَ جَوَارِحُہٗ

(البیہقی ج ۲ ص ۲۸۱، کنز العمال حدیث ۵۸۹۱، ارواء الخلیل ج ۲ ص ۹۲)

یعنی اگر دل میں خشیت پائی جائے تو ظاہر اعضاء پر بھی خشوع و خضوع طاری ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بد بختی کی علامت یہ ہے کہ کوئی شخص اہل اللہ سے محبت تو رکھے مگر ان کی تعظیم و تکریم اور خدمت کے تقاضوں سے غافل ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص صاحبِ علم ہونے کے باوجود عمل سے محروم ہو یا عمل تو کرتا ہو مگر دولت اخلاص سے عاری ہو۔" اسی لئے کہا گیا ہے

با ادب باش تا بزرگ شوی

کہ بندگی نتیجہ ادب است

یعنی باادب رہو تاکہ بزرگ بن سکو کیونکہ بزرگی حسن ادب ہی کا نتیجہ ہے۔

حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر میں نے بادشاہ کی خدمت نہ کی ہوتی تو مشائخ کی خدمت نہ کر سکتا۔ اور اگر مشائخ کی خدمت نہ کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ

کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کر سکتا"۔ بعض جلیل القدر مشائخ نے لکھا کہ جب تک مرید کے اندر دو صفتیں راسخ نہ ہوں اس وقت تک شیخ کی ولایت کا تصرف مرید کے اندر نہیں ہو گا: ایک یہ کہ مرید اپنے پیر کے ساتھ ایسا شوخ نہ ہو جیسے بیٹا باپ کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ اپنے شیخ کی بارگاہ میں ایسا مؤدب ہو جیسا غلام بادشاہ کی بارگاہ میں ہوتا ہے۔

الغرض شیخ سے اخذِ فیض کیلئے مرید پر دو طرح کے آداب کی رعایت لازم ہے: ایک ظاہری آداب، دوسرے باطنی آداب۔ ذیل میں دونوں طرح کے آداب بالاختصار بیان کیے جاتے ہیں:

ظاہری آداب:۔

مرشد کے ظاہری آداب کے بارے میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔ جو شخص مرید ہونے کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایسے شیخ کی بیعت اور صحبت اختیار کرے جس کی اس کے دل میں عزت اور محبت ہو۔ اپنے نفس کو شیخ کے آداب اور خدمت کے سوا کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہونے دے۔ مرشد کے حق کو لوگوں کے حقوق پر فوقیت دے۔ حتیٰ کہ اپنی ذات کے حقوق کو بھی شیخ کے مقابلے میں درخورِ اعتنا نہ جانے۔

۲۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی مجلس میں انتہائی عجز و انکسار، خوف و خشیت اور حزم

واحتیاط کے ساتھ بیٹھے اور ہر قسم کی بے ادبی و گستاخی سے ڈرتا رہے۔ مرشد کے حکم کے بغیر اس کا کوئی کپڑا استعمال نہ کرے اور پیر کے سجادہ پر قدم نہ رکھے۔

۳۔ مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کی گفتگو پوری توجہ سے سنے۔ کسی بات یا حکم کی وضاحت نہ چاہے اور کلام کی تاویل نہ کرے بلکہ جو ظاہری مطلب نکلتا ہو پورے ادب واحترام کے ساتھ قبول کرے۔ دل سے اس پر کاربند ہو اور ثابت قدم رہے تاکہ رموز واشارات سمجھنے کا دروازہ اس کے لئے کھل جائے۔

۴۔ مرید کے لئے شیخ کی ہر بات اور ہر فعل تسلیم کرنا واجب ہے۔ اگر شیخ کسی چیز کا حکم دے تو مرید کو چاہیے کے بغیر توقف کے اسے بجالائے اور اگر مرشد نے کوئی شرط لگائی ہو تو اسے ہر حال میں پورا کرے، خواہ وہ شرط آسان ہو یا مشکل۔

۵۔ اپنے دل کو شیخ کے بتائے ہوئے ذکر سے آباد رکھے۔ سو جب بھی غفلت چھانے لگے اور برے خطرات دل میں پیدا ہوں تو فوراً ذکر کی طرف رجوع کرے۔ کسی برے خیال کا دل میں آنا بھی غفلت کی دلیل ہے کیونکہ دل ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتا کہ خدا کے ذکر میں بھی مشغول رہے اور نت نئے خیالات کی بھی پرورش کر رہا ہو۔

۶۔ جو خیالات دل میں آئیں یا وساوس وخطرات پیدا ہوں شیخ کی بارگاہ میں عرض کر دے۔ کوئی ایسا سوال نہ کرے جس کا جواب مطلوب ہو کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ اپنے خیالات ووساوس شیخ سے چھپانا مرید کے لئے نقصان دہ ہے جیسے اگر مریض

اپنی بیماری معالج سے چھپائے تو اس صورت میں طبیب کیا علاج کرے گا؟

۷۔ اگر مرید سے کوئی لغزش یا برا فعل سرزد ہو جائے تو شیخ جو حکم دے اس کی من وعن تعمیل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کامل توجہ اور صحیح ارادہ سے رجوع کرے۔ جو شخص طالبِ صادق ہو اور شہوت نفس کو خدا کے لئے ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ برائی کو اس سے دور کر دیتا ہے۔

۸۔ بیعتِ سلوک و تربیت کا اولیں تقاضا مرشد کے احکام کی تعمیل اور ترکِ اعتراض ہے۔ لہذا مرید کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کے کلام پر کبھی اعتراض نہ کرے۔ شیخ کا کلام بغیر مصلحت کے نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ معارضہ کرنا تمام اہل طریقت کے نزدیک انتہائی قبیح اور ناجائز فعل ہے۔ ایسا مرید ہوائے نفسانی میں غرق اور آدابِ طریقت سے بالکل ناواقف ہے۔ شیخ نے اگر مرید کو کسی مباح کام سے منع کر رکھا ہو تو اس پر اعتراض کرنا اور فقہی بحث کرنا بد بختی کی نشانی ہے۔ ایسا مرید کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

۹۔ مرید اپنے شیخ کے اعمال و تصرفات پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ اسے ہر حال میں شریعت کا متبع سمجھے۔ اگر پیر کا کوئی فعل بظاہر مذموم یا ناقابل فہم نظر آئے تو اسے اپنے نقصِ ادراک پر محمول کرتے ہوئے خاموش رہے اور یقین رکھے کہ شیخ اس کے مقابلے میں شریعت کے احکام، حدود اور مقاصد سے زیادہ واقف ہے۔ لیکن اسے معصوم نہ سمجھے کیونکہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ہے۔ چنانچہ

منقول ہے کہ کسی شیخ سے کوئی برا فعل سرزد ہو گیا اور اس نے اپنے مرید سے کہا کہ تم نے مجھ سے برا فعل سرزد ہوتے دیکھا ہے۔ لہذا اب مجھ سے کنارہ کش ہو کر کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں چلے جاؤ۔ مرید نے عرض کیا کہ میرے دل میں اس امر کی نسبت سے کوئی خیال پیدا نہیں ہوا۔ میں نے آپ کی صحبت عالم باللہ ہونے کی وجہ سے اختیار کی ہے مطلق معصوم سمجھ کر نہیں۔ اپنے شیخ کے بارے میں اس شائستہ اعتقاد کی وجہ سے وہ مرید اپنے زمانہ میں شیخِ کامل بن گیا۔

۱۰۔ مرید جب شیخ کی قیام گاہ یا گھر جاتے تو مرشد کا ادب واحترام پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھے۔ زیادہ سے زیادہ وقت شیخ کی مجلس میں گزارے۔ اس کے احکام کی پیروی کرے اور ہر وقت اس کی رضا جوئی میں کوشاں رہے۔ جب تک اپنے شیخ کی صحبت میں رہے اس کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کی مکمل رعایت کرے اور جب محسوس کرے کہ یہاں رہتے ہوتے آدابِ مرشد کی پاسداری میں لغزش کا اندیشہ ہے تو اجازت لے کر گھر لوٹ آتے کیونکہ اس صورت میں مرید کا وہاں ٹھہرنا خود اس کے لئے مضر ہے کہ جو شخص اپنے پیر کی عزت وحرمت کا پاس نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نورِ ایمان سلب کر لیتا ہے۔

باطنی آداب:۔

شیخ کے باطنی آداب درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مرید یہ عقیدہ رکھے کہ میرے شیخ کا طریقہ تمام طریقوں سے افضل وبہتر ہے اور

Marfat.com

یہ کہ اس وقت ہدایت وارشاد میں کوئی دوسرا شیخ ایسا کامل نہیں، اس اعتقاد کے بغیر فیضِ باطنی میسر نہیں آسکتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"مرید کا اعتقاد اپنے پیر کو افضل واکمل جاننے میں اس محبت کے ثمرات اور اس نسبت کے اثرات میں سے ہے جو افادہ واستفادہ کا سبب ہے"۔

۲۔ مرید اپنی نیت خالص اور عقیدہ پاک رکھے اور تمام خیالاتِ فاسدہ سے اپنے آپ کو خالی کردے کہ یہ حضرات روحانی معالج ہوتے ہیں۔ دل کی بیماریوں کو مرید کے وجود میں ان کے اسباب وعلامات کے ذریعے معلوم کرلیا کرتے ہیں اور قلبی وساوس وخطرات کو تاڑ لیتے ہیں۔ اسی لئے بجا طور پر کہا گیا ہے :

اِنَّهُمْ جَوَاسِيْسُ الْقُلُوْبِ فَجَالِسُوْهُمْ بِالصِّدْقِ

یعنی یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے پاس صدق سے بیٹھا کرو۔

۳۔ پیر کا کلام جسمانی وظاہری کانوں سے نہیں بلکہ دل کے کانوں سے اور کامل رضا ورغبت اور یکسوئی کے ساتھ سنا کرے اور ان کی ہدایات پر پوری طرح سے سرِ تسلیم خم کردے ورنہ روحانی برکات سے محروم رہے گا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"جس آدمی نے شیخ کے کلام کا احترام ملحوظ نہ رکھا وہ اس کے فیض سے محروم ہوگیا"۔

۴۔ پیر کے اسرار اور بھیدوں کو پوشیدہ رکھے۔ کسی غیر متعلق شخص کے سامنے بیان نہ کرے۔

۵۔ مرید اپنے ارادہ کو شیخ کے ارادہ میں فنا کر دے۔ جو شیخ کی مرضی ہو وہی اس کا ارادہ بن جائے۔ شیخ کے مقابلہ میں اس کی اپنی کوئی خواہش اور کوئی ارادہ نہ رہے۔ مرید کی تو شناخت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ

اَلْمُرِیْدُ مَنْ لَا یُرِیْدُ اِلَّا مَا یُرِیْدُ شیخہٗ

یعنی مرید وہ ہے جس کا ارادہ اپنے مرشد کے ارادے کے تابع ہو۔

جب مرید اپنے ارادہ واختیار سے بالکل خالی ہو جائے تو معرفت اور سعادت کے درجہ۔ کمال پر فائز ہو جاتا ہے۔

۶۔ چوتھے یہ کہ پیر جو کچھ فرمائے اس کو من وعن تسلیم کرے۔ جتنے اسباق تلقین کرے انہیں پر مواظبت اختیار کرے اور صبر وضبط کے ساتھ قائم رہے۔ مقاماتِ سلوک طے کرنے میں اپنی خواہش سے جلدی نہ کرے۔ پیر کی مرضی پر رہے۔ وہ اپنی رضا سے جس قدر بڑھاتا جائے بڑھتا جائے۔ خود کوئی شخص خلافت کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ اس کا شیخ ومربی تمام معاملات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ خلافت و اجازت کوئی معمولی بات نہیں۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ

یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے اسے نوازتا ہے۔

خلافت فی الحقیقت روحانی تاج ہوتا ہے۔ کوتاہ عقل اور کم فہم اس کی فضیلت سے آشنا نہیں۔ درحقیقت جس کو اللہ کریم منظور فرماتے ہیں اس کو اپنے پیر سے بھی خلافت حاصل ہو جاتی ہے۔ بہت سے سالک اپنی مرضی سے ترقی کرنے اور بہت جلد صاحبِ اجازت وارشاد ہونے کے لئے کوشش کرتے ہیں بلکہ اپنے شیخ سے اس کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے اگر پیر کو مجبور کر کے اس سے خلافت حاصل کر بھی لی جائے تو وہ اجازت کسی کام کی نہیں ہوتی اور اس قسم کی اجازت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ عجلت وشتابی تو شیطانی راستہ ہے جو برکت کو کم کر دیتا ہے کیونکہ اس میں کسی دوسرے کی رضامندی کا خیال نہیں ہوتا۔ چاہیے یہ کہ سلوک وخلافت سب پیر کی مرضی پر چھوڑ دے۔ جب امرِ الٰہی اور آقا کی رضا ہوگی تو پیر خود طلب کر کے خلافت دے دے گا۔

منقول ہے کہ ایک بزرگ کو ایک رات بشارت ہوئی۔ وہ دیکھتے ہیں کہ خواب میں کسی شخص نے ان کے سر پر شاہی تاج رکھ دیا ہے۔ صبح کو وہ صاحب اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جاتے ہی پیر صاحب نے اپنی کلاہ (ٹوپی) ان کے سر پر رکھ دی۔ یہ وہی تاج تھا جو رات کو ان کے سر پر رکھا گیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خلافت دینا پیر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے کسی کو خلافت دی جاتی ہے۔ مرید کو چاہیے کہ پیر کی خدمت میں جلد جلد آیا کرے اور بے ادبی سے بچے۔ اگر اس کی قسمت اچھی ہوئی تو اس کا کام بن جائے گا ورنہ صرف کوشش سے کیا ہو سکتا ہے اور کوشش کب تک کرتا رہے گا۔

۷۔ پیر کے اقوال و افعال اور احوال پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو برتاؤ پیر اپنے مرید کے ساتھ کرتا ہے وہ عین صواب ہوتا ہے۔ اگرچہ شروع میں مرید کو اس کی حقیقت کا پتہ نہ چلے مگر بعد میں آہستہ آہستہ اسے ان اسرار سے واقفیت حاصل ہو جائے گی۔

۸۔ پیر کے افعال میں عیب بینی اور نکتہ چینی کا تصور بھی نہ کرے۔ پیر کا فعل اگرچہ بظاہر ناقابل فہم ہو مگر حقیقت میں صحیح ہوتا ہے اور جو پیر میں عیب نکالے وہ خود اس عیب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

۹۔ پیر کا کسی بات میں امتحان نہ لے کیونکہ امتحان بھی ایک قسم کا تصرف ہے اور ناقص کامل میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

۱۰۔ مرشد کا ایک اور ادب ظاہری یہ ہے کہ آداب اور حرمت کی شرائط کو پورے طور پر ملحوظ رکھے

اور مرید کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے پیر کے در سے وابستہ رہے اور اپنی تمام مشکلات کی کشائش کی امید پیر کے وسیلہ سے رکھے۔ منقول ہے کہ کسی نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ اس درجہ تک کس عمل سے پہنچے ہیں؟ فرمایا: چالیس سال تک میں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی دہلیز پر ایک پاؤں کے بل کھڑا رہا ہوں اور اپنے کام کی کشائش اسی دہلیز سے طلب کرتا رہا ہوں۔ آخر جو کچھ میں چاہتا تھا وہ مل گیا۔ حضرت خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کا ارشاد گرامی ہے کہ میں عرصہ ساٹھ سال تک مشقت و مجاہدہ میں مشغول رہا ہوں لیکن اس کے باوجود ابھی تک اپنے مطلب و مقصود کو نہیں پایا۔ یہ ہے اولیائے کاملین کا احساس اور طرزِ فکر وطریقِ عمل۔ اس کے برعکس آج کل کے متصوفین کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف چھ مہینے یا سال تک کسی قدر محنت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر تو کچھ بھی حالات منکشف نہیں ہوتے۔ حالانکہ اتنے قلیل عرصہ کی محنت وکوشش سے تو تصفیہ۔ قلب اور تزکیہ ونفس بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس اے برادران طریقت ! پوری ہمت اور کوشش سے اپنے پیر کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ رحمتِ الٰہی سے کامیابی کی امید رکھو۔ انشاءاللہ ضرور اپنے مقصد کو پالو گے کیونکہ طریقت میں کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے شیخ کی تابعداری کی اور اس کی مخالفت سے باز رہا اس نے منزلِ مقصود کو پالیا۔ حضرت مخدوم رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید اس کو کہتے ہیں جو قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً پیر کی متابعت کرے۔

متابعتِ قولی:- یہ ہے کہ دین کے اصول وفروع میں اس کا وہی نظریہ ہو جو اس کے پیر کا ہے۔

متابعتِ فعلی:- یہ ہے کہ تمام دینی اور دنیاوی کام پیر کے اشارے اور رضا کے مطابق انجام دے۔

اطاعتِ قلبی:- یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کے دل کی طرح تمام صفاتِ ذمیمہ سے پاک

Marfat.com

اور صاف کرے۔

اطاعتِ قالبی:- یہ ہے کہ اپنے جسم کے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء اور حواس کو مرشد کے وجود اقدس کی مانند معصیت کی آلودگی سے پاک وصاف کرے۔

مرید پر لازم ہے کہ اپنے مال وجان اور تن من دھن ہر چیز کو شیخ کی خدمت میں کھپا دے۔ ان کے کام خوش دلی سے انجام دے۔ پیر کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ کسی قسم کے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرے۔ مرید جس قدر زیادہ اپنے مرشد کی خدمت کرے گا اسی قدر پیر کی رضامندی حاصل ہو گی اور پیر کی خوشنودی سے مرید کو روحانی فیض اور سعادتِ دارین نصیب ہوتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:-

ارادت نداری، سعادت مجوئی

بچو گانِ خدمت تواں برد گوئی

یعنی اگر عقیدت نہیں ہے تو سعادت نہ ڈھونڈو۔ چوگانِ خدمت سے ہی یہ گیند لے جائی جا سکتی ہے۔

مرید کو چاہیے کہ اپنی عقیدت و محبت اور قلبی توجہات کا مرکز ہمیشہ شیخ کی ذات کو بنائے رکھے۔ پیر کی مجلس میں کسی اور طرف التفات نہ کرے۔ اپنے ظاہر و باطن سے ہمیشہ شیخ کی طرف متوجہ رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

"مرید اپنے دل کی توجہ ہر طرف سے ہٹا کر اپنے پیر کی طرف کر لے"۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ قبلے چار ہیں:

پہلا قبلہ:- اعضاء وجوارح کا ہے جس کی طرف تمام مسلمانوں کو نماز میں رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسرا قبلہ:- دل ہے کہ صاحبانِ طریقت کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے اور اس کے تزکیہ میں مشغول ہوتے ہیں۔

تیسرا قبلہ:- مرید کے لئے اس کا پیر ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی توجہات کا مرکز ہوتا ہے۔

چوتھا قبلہ:- وجہ اللہ ہے جو کہ تمام قبلوں کو محو کرنے والا ہے۔

اور مرید کے لئے ضروری ہے کہ خانہ۔ پیر کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ سوئے۔ یہ بھی ایک باطنی ادب ہے۔ اسی طرح مرید کو چاہیئے کہ پیر کے مقام پر جوتے پہن کر نہ جائے بلکہ اس حد سے باہر اتار کر داخل ہو کہ یہ بھی ادب میں داخل ہے۔ اگر کسی وقت پیر کی موجودگی میں نماز میں امامت کرنے کا اتفاق ہو جائے تو فرض نماز کے بعد مختصر دعا مانگ کر پیر کی پیٹھ کے پیچھے جا کر سنتیں ادا کرے۔ اگر شیخ کا پس خوردہ پانی یا کھانا مل جائے تو تبرک سمجھے اور خوش ہو کر کھائے پیئے لیکن خود حریص ہو کر طلب نہ کرے کہ یہ بات خوشنودی کے خلاف ہے۔

ہر کرا ایں ادب ہا حاصل شود
بے گماں او مقبل و واصل شود

ہر کرا زیں ادب نفرت بود
سربسر در ذلّ و حسرت میشود

یعنی جس شخص کو اس طرح کے آداب کی توفیق مل جاتے وہ بلاشبہ اقبال مند اور منزلِ مقصود سے واصل ہو گا اور جو ان آداب سے بیزار ہو وہ بالآخر ذلّت وحسرت میں گرفتار ہو گا۔

Marfat.com

فصل سوم:

رابطہ

ا۔ تصورِ شیخ

طالبِ صادق کو چاہیئے کہ پیرِ کامل سے بیعت ہونے کے بعد اپنے دل میں مرشد کی سچی محبت و عقیدت کا بیج بو دے اور حاضری و غیبت میں پیر کی طرف متوجہ رہے۔ اصطلاحِ صوفیاء میں اسی کو رابطہ اور تصورِ شیخ کہتے ہیں۔ تصور محبت کا ایک لازمی نتیجہ واثر بھی ہے اور اس کی ترقی وافزونی کا ذریعہ بھی۔ جس سے محبت ہو اُس کا تصور خود بخود ذہن و دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور جو محبت مطلوب و مستحسن ہو اس کی تحصیل و تکمیل کے لئے رابطہ، تصور اور توجہ کا طریقہ انتہائی سہل، مؤثر اور پائیدار ثابت ہوتا ہے۔ سلوک کا مقصد بارگاہ الٰہی کا قرب اور دوام حضور میسر آنا ہے اور یہ بغیر رابطہ و تصورِ شیخ کے ممکن نہیں۔ اسی لئے جملہ سلاسلِ اولیاء میں رابطہ کو طریقت کا رکنِ اعظم قرار دیا گیا ہے۔

طریقت کے مخالفین عام طور پر شغلِ رابطہ و تصور شیخ پر اعتراض کرتے ہیں اور بعض معاندین تو اسے شرک کہنے سے نہیں ہچکچاتے لیکن یہ بے خبر لوگ اس عمل میں پنہاں اسرار و حقائق سے آگاہ نہیں۔ اور کسی چیز کو اچھی طرح سمجھے بغیر اس پر تنقید واعتراض کر دینا ایسی سطحیت اور ظاہر پرستی ہے جس کے ڈانڈے اکثر ذہنی و قلبی امراض

سے جا ملتے ہیں۔ ان سطحی ناقدین کو سب سے پہلی جو بات ذہن نشیں رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ تزکیہ اور روحانی تربیت کا سلسلہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین وصحابۂ کبار سے لے کر آج تک بلا انقطاع چلا آرہا ہے۔ اس دوران طریقت کے بیسیوں پاکیزہ سلسلے پروان چڑھے۔ ہزاروں نہیں، لاکھوں بزرگان دین، جلیل القدر ائمۂ ہدایت اور برگزیدہ صوفیائے کرام ولایت وتقویٰ کی منزلوں پر پہنچے اور قرب ورضائے الٰہی سے ہمکنار ہوئے اور یہ تاریخی طور پر ثابت شدہ اٹل حقیقت ہے کہ ان تمام اولیاء کرام میں سے ننانوے فیصد نے رابطہ اور تصور شیخ ہی کے ذریعے فیض پایا اور دیا ہے۔ اگر یہ رابطہ وتصور شیخ معاذاللہ شرک ہوتا تو صدیوں پر محیط اس عرصہ۔ تاریخ میں لاکھوں اولیاء کرام، غوث، قطب، ابدال وغیرھم اس کے ذریعے منزلِ مقصود تک کیسے پہنچتے؟

عجیب بات یہ ہے کہ ایسے لوگ خود ہر وقت اپنے دل میں سونے چاندی، گائے بھینس، گدھے گھوڑے، زمین جائیداد اور دیگر دنیاوی مال واسباب کا تصور جمائے رکھتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہمیشہ متاعِ دنیا حاصل کرنے کی سوچ میں مگن رہتے ہیں حالانکہ بیسیوں آیات واحادیث میں دنیا اور متاع دنیا کو ذلیل، ملعون، غلاظت اور لہو ولعب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حال یہ ہے کہ نماز جیسی اعلیٰ ترین عبادت اور خالص روحانی کیفیت بھی دنیاوی تصورات اور نفسانی خیالات سے آلودہ رہتی ہے۔ نماز کی حقیقی لذت اور حلاوت تو اہلِ عشق واخلاص ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہوس پرست جن کا باطن خشک، روح خوابیدہ اور دل نفسانیت میں غرق ہو، نماز کی لذت سے کب آشنا ہو سکتے

Marfat.com

ہیں؟ اور ایسی نماز بھلا کس کام کی ہے جس میں ظاہری حالت کچھ ہو اور باطنی خیالات کچھ اور؟ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

اگر خواہی سخن با حق بگوئی

نمازے از حضورِ دل بجوئی

یعنی جب زبان تسبیحِ الٰہی میں مصروف ہو اور دل میں گائے بھینس اور گدھے وغیرہ دنیاوی مال و اسباب کے خیالات رچے بسے ہوں تو ایسی تسبیح کا کیا اثر ہو گا؟ اے بھائی! اگر تو خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرنا چاہتا ہے تو حضورِ قلب سے نماز ادا کیا کر۔

بہرحال یہ معترضین غیراللہ کے اس دائمی نفسانی تصور کو جو نمازیں بھی ان سے جدا نہیں ہوتا، شرک سمجھ کر چھوڑنے کی بجائے تصورِ شیخ کے اس بے ضرر بلکہ انتہائی مفید و مؤثر روحانی اصول کو ہدف تنقید بناتے ہیں جس کی تاثیر وافادیت لاکھوں برگزیدہ ہستیوں کے پاکیزہ عمل سے یقین کی آخری حد تک ثابت ہو چکی ہے۔

پھر تصورِ شیخ کوئی مجرد عقلی موشگافی کی بات نہیں بلکہ اس کا ثبوت واستناد خود قرآنِ کریم اور سنتِ طیبہ کے نصوص و تصریحات، دین کے اصول و تعلیمات اور شریعتِ اسلامیہ کے مسلمہ قواعد و تطبیقات کی روشنی میں ایک واضح حقیقت کے طور پر ابھر کر

سامنے آتا ہے۔ تصور غور و فکر کا نام ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات، مظاہر قدرت اور مناظر فطرت پر غور و فکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

تَفَكَّرُوا فِي آلَاءِ اللهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي ذَاتِ اللهِ.

(کنز العمال حدیث: ۵۷۰۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۱، درمنثور ج ۲ ص ۱۱۰، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ نمبر ۱۷۸۸)

یعنی خدا تعالیٰ کی ذات کے بارے میں تو نہ سوچو، لیکن اس کی صفات اور نشانیوں پر خوب غور و فکر کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے یہ پیغام دیتا ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران: ۳۱)

یعنی اے محبوب پاک صلی اللہ علیک وسلم! فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

صاف ظاہر ہے کہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان اپنی زندگی کے لمحے لمحے میں اور قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ اداؤں کا تصور رکھے کیونکہ اتباع عمل کا نام ہے اور عمل فکر و تصور کے بغیر انجام

نہیں پاسکتا۔ لہذا خود قرآنِ حکیم کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور سیرت و سنت کا تصور ہر آن قائم رکھنا اللہ تعالیٰ کی محبت، قرب و معرفت اور رضا و خوشنودی کو پانے کی اولیں اور لازمی شرط ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آسمان وزمین، سورج، چاند، ستاروں، ہوا، بادل، روشنی، نباتات، حیوانات اور کل مخلوقات میں غور و فکر کرنے اور قدرت خداوندی کی نشانیوں سے ذات الٰہی کا عرفان حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر آیا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ

(آل عمران : ۱۹۰، ۱۹۱)

یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِي ٱلْءَافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ۔ (حٰمٓ سجدہ ، ۵۳)

یعنی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے اپنے نفوس میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے۔

ان ارشادات ربانی سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مصنوعات و مخلوقات کے

اندر غور و فکر کرنے سے خود اس ذات پاک کی معرفت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر حدوث سے منزہ اور بے چون و بے چگون ہے۔ آنکھ اسے دیکھنے اور ذہن اس کا تصور کرنے سے عاجز ہے۔ لہٰذا اس کی ذات وصفات کا مشاہدہ مخلوقات کے جمال و کمال اور مظاہر فطرت کے آئینے ہی میں ممکن ہے۔ اہل بصیرت متفق ہیں کہ مخلوقات میں غور و فکر کرنے سے خالق کائنات کا نشان ملتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار

ہر ورقے است دفتر معرفتِ کردگار

یعنی اہل دانش کی نظرمیں درختوں کے سبز پتوں میں سے ہر ہر پتا اپنی جگہ خدا کی معرفت کا ایک مکمل دفتر ہے

اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ؎

سرّ مدمغ عشق دردمنداں دانند

نہ خود منشا زخود پسنداں دانند

از نقش تواں بوئے نقاش شدن

ایں نقشِ غریب نقشبنداں دانند

یعنی عشق کے راز کو صرف دردِ دل والے جانتے ہیں۔ خود بین اور خود پسند لوگ نہیں جان سکتے۔ یہ سچ ہے کہ نقش کو دیکھ کر نقاش کا پتا لگایا جا سکتا ہے

مگراس عجیب وغریب نقش کاراز صرف نقشبندی ہی جانتے ہیں۔
کسی اور شاعر نے خوب کہا ہے ؎

فکر کا حکم ہے قرآن میں آیا
ذرا دیکھو ہے کیا فرمان آیا

تصور فکر کا ہے معنی یارو
تصوز ذکر کی ہے شرط یارو

اب یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ تمام کائنات میں انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور بمقتضائے ارشاد باری تعالیٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ
وہی تمام مخلوقات سے افضل و برتر ہے۔ بے شک انسانی وجود کے آئینے میں خدا کی قدرت جلوہ گر ہے۔اس لئے قرآن حکیم میں انسان کو حکم دیا گیا ہے:

وَفِيٓ أَنفُسِكُمْۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات: ۲۱)

یعنی اور خود تمہارے اپنے نفوس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟

ایک حدیث قدسی کی رو سے خدا کے جلوے اپنی لامتناہی وسعتوں کے باوصف بندۂ مومن کے دل میں سما جاتے ہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

(الاسرار المرفوعۃ: ص۳۵۱، الدرر المنتشرۃ: ص۱۵۲)
(الحاوی للسیوطی. ج ۲ ص۴۱۲، کشف الخفاء، ج ۲ ص۳۶۲)

Marfat.com
Marfat.com

یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

بناء بریں بندۂ مومن کا وجود چونکہ خدا کے جلوہ صفات کا مظہر ہے، لہذا اس کو دیکھنا جلوۂ حق کو دیکھنا اور اس میں غور و فکر کرنا تجلیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرنا ہے۔ بندۂ مومن کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی محبت پنہاں اور اس کے خیال میں یادِ حق مضمر ہے۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ جو بندے ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں ان کے ساتھ رہو۔ ان کی رفاقت اختیار کرو۔ اپنے فکر و خیال اور فعل و حال کو ان کے ساتھ وابستہ کر لو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (الکہف : ۲۸)

یعنی اپنے آپ کو ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اس کی رضا چاہتے ہوئے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر دوسروں پر نہ پڑیں۔

اس آیت کریمہ سے دو ٹوک پتہ چلتا ہے کہ خدا کے ذاکر بندوں کو دیکھنا، ان سے محبت کرنا اور ان سے وابستہ رہنا فرض و لازم ہے۔ یوں ذاکرین کی معیت، رویت اور تصور ذکر الٰہی کی ناگریز شرط قرار پاتا ہے اور معلوم ہے کہ شرط کے بغیر مشروط باقی نہیں

رہنا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ خدا کے ذاکر بندوں کی صحبت میں رہنا، ان کے بابرکت چہروں کا دیدار کرنا اور ان کے فکر و تصور میں مگن رہنا ذکر الٰہی کی شرط، دین کا تقاضا اور مشاہدۂ حق کا ذریعہ ہے۔ ایک حدیث پاک میں اللہ والوں کی شناخت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ:

الذینَ إذا رُؤوا ذُکِرَ اللہ تعالی لرؤیتہم

(درمنثور: ج ۲ ص ۳۰۹)

یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آ جائے۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے:

اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِہِمْ عِبَادَۃٌ

یعنی ان اللہ والوں کے چہروں کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ

یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں بہترین اور برگزیدہ بندے وہ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آ جاتا ہے۔

اور یہی تو تصورِ شیخ کی اصل و حقیقت ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے حدیثِ مذکور کی روشنی میں تصورِ شیخ کی افادیت ان الفاظ میں اجاگر کی ہے۔

حدیث مصطفےؐ ہے شاہد اس پر
کہ دیکھو مردِ کامل کو نظر بھر

کہ جس کی دید سے حق یاد آئے
خدا کے ماسوا سب کچھ بھلا دے

تصورِ صوفیاء کہتے ہیں اس کو
تصور با صفا کہتے ہیں اس کو

تصور شیخ ہادی راہ مولیٰ
تصور پیر دلبر سب سے اولیٰ

کہ جس کو دیکھنا افضل تریں ہے
یہ سیدھا راستہ خلدِ بریں ہے

بلا شبہ انسانوں میں سب سے افضل ہستی انسان کامل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ آپ کا وجود پاک ذات حق کا پرتو، آپ کی صفات آئینہ قدرت اور آپ کی صورت جلوۂ نورِ کبریا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرب و رضائے حق کے جس اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔ اُس سے آگے کوئی جادہ ہے، نہ منزل، نہ مقام۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت جمالِ حق کا دیدار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ قدرت الٰہیہ کے جلووں کا مشاہدہ ہے۔ یہی منشا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا کہ:

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

(البخاری : ج ۹ ص۹۴ ، مسند احمد : ج ۲ ص۱۵۵)

(مجمع الزوائد : ج ۷ ، ص۱۸۱ ، دلائل النبوۃ ج ۷ ، ص۴۵)

(الشمائل : ص۲۱۰)

یعنی جس نے مجھے دیکھا بے شک اس نے خدا کو دیکھ لیا۔

سچ کہا کسی شاعر نے ؎

دیکھا جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو
دیکھا اس نے حقیقت میں خدا کو

جو عاشق ہے حبیبِ کبریا کا
وہی عاشق ہے رب دوسرا کا

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خیرالوریٰ ہیں
محمد شافع روز جزا ہیں

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر پیدا نہ ہوتے
نہ ہوتا کچھ اگر سرور نہ ہوتے

بنا بریں یہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں جو ہستی اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واتباع سے جتنی زیادہ سرشار ہو گی اس کا دیدار کرنا، اس کی صحبت میں رہنا اور اس کا تصور کرنا اسی قدر زیادہ بہتر، نافع اور

Marfat.com

سود مند ہو گا۔ اب چونکہ اولیاء عظام اور صوفیاء کرام ہی وارثان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ محبتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق مولیٰ میں غرق رہتے ہیں۔ ان کے اخلاق واوصاف اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر ہوتے ہیں۔ یہ ہر وقت اس کے ذکر و فکر میں مگن اور اس کی بار گاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ لہذا ان کی زیارت دیدار حق، ان کی صحبت معیتِ الٰہی اور ان کی نسبت غلامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی اللہ والے کے ہاتھ پر بیعت کر لے اور اس کی رہنمائی میں تزکیۂ نفس، اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وصول الی اللہ کے راستے پر گامزن ہو جائے تو اب اس کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ قدم قدم پر اپنے شیخ کے ساتھ رابطہ اور ہر وقت اس کی طرف اپنی توجہ قائم رکھے تاکہ ہر آن اس سے باطنی رہنمائی اور فیض حاصل کرتا رہے۔ اس روحانی تعلق، قلبی توجہ اور باطنی رابطہ کا اصطلاحی نام تصورِ شیخ ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ روحانی اعمال، مراقبہ اور ذکر کے دوران سالک کے لئے ذہنی ارتکاز، قلبی انہماک اور فکری یکسوئی از حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر ذکر ومراقبے کا کوئی باطنی اثر مرتب نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ مرید کے لئے فکر وخیال کی یکسوئی برقرار رکھنے کا اولیں مخصوص اور مؤثر ذریعہ تصورِ شیخ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ مرشد کے ساتھ دوام صحبت اور قلبی تعلق کی بنا پر محبت تعظیمی کا ایسا محکم رشتہ استوار ہو جاتا ہے کہ مرید کے ذہن وقلب میں بے اختیار اپنے پیر کا تصور سما جاتا ہے۔ اس کے شعور واحساس کی گہرائیوں میں مرشد کی شبیہ جاگزیں ہو جاتی ہے۔ لہذا مراقبہ اور ذکر کے وقت اپنے پیر کی صورت کا خیال دل میں جمائے رکھنا بری سوچوں، شیطانی وسوسوں اور نفسانی حرکتوں سے

بچا تا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کوئی اچھا اور نیک خیال کسی آدمی کے ذہن میں قائم رہتا ہے اس وقت تک کوئی خیالِ فاسد دل میں راہ نہیں پاتا۔ بعض اوقات بڑے بڑے عالم و عابد لوگوں پر بھی نفسِ امارہ غالب آکر آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور برائی کے ارتکاب کی راہ پر لگا دیتا ہے لیکن اگر کوئی چھوٹا سا بچہ بھی وہاں موجود ہو تو اسے دیکھ کر شرم آجاتی ہے اور انسان گناہ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ ایک سالک کے لئے تصورِ شیخ بعینہ یہی کام کرتا ہے۔ وہ اپنے مرشد کا تصور اور اس کی شبیہ ہر وقت پیش نظر رکھتا ہے۔ اس طرح یہ تصور اس کا ہمہ وقتی نگران اور محافظ بن جاتا ہے جس کی وجہ سے مرید ارتکابِ معاصی سے بچ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِۦ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَٰنَ رَبِّهِۦ

(یوسف : ۲۴)

یعنی اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں برا ارادہ کر لیا تھا اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے۔

صاحب تفسیر محمدی اس آیت کریمہ کی شرح میں فرماتے ہیں: ؎

اک آکھن انگل منہ وچ پا کے منع یوسف نوں کیتا
اک آکھن سینے تے ہتھ ماریا شہوت مٹ گئی میتا

اکثر کہون جو پیو دی صورت یوسف نوں دِس آئی
اُس کہیا تو نبیاں اندر ایہہ کی کریں کمائی

گویا حضرت یوسف علیہ السلام کو جو بُرہان رب نظر آئی اور جس شے نے ان کی حفاظت کی وہ ان کے والدِ بزرگوار اور شیخ و مربی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ مبارک اور خیال و تصور تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی برگزیدہ اور محترم ہستی کا تصور انسان کو نازیبا کاموں سے بچنے اور نیکی کی راہ پر ثابت قدم رہنے میں مدد دیتا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ صوفیاء کرام تصورِ شیخ کے بارے میں کوئی ایسا عقیدہ و نظریہ نہیں رکھتے جس کے ڈانڈے شرک و بدعت سے جا ملتے ہوں۔ وہ تو بس اسے مرید کے لئے فکری یکسوئی اور قلبی ارتکاز کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور وصول الی اللہ یعنی خدا تعالیٰ کے قرب و رضا کی منزل تک پہنچنے کے لئے رفیقِ راہ اور معاون و محافظ ٹھہراتے ہیں۔ اولیاء کرام تو لوگوں کے عقیدہ و ایمان اور عمل و اخلاص کے محافظ ہوتے ہیں۔ پھر بھلا یہ حضرات کوئی ایسا نظریہ یا عمل کیونکر تجویز کر سکتے ہیں جو لوگوں کی خرابیٔ ایمان کا باعث بنے؟ حاشا و کلا! ان اللہ والوں کے بارے میں کبھی ایسا خیال بھی ہرگز دل میں نہ لانا۔ ان کی محبت اور تعظیم و توقیر میں ذرا کوتاہی نہ کرنا۔ ان کی محبت درحقیقت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان سے عداوت خدا کی بغاوت ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْحَرْبِ

(ابن ماجہ حدیث ۳۹۸۹ : البیہقی، ج ۳ ص ۳۴۶ ،
کنز العمال حدیث ۱۱۶۱ ، درمنثور ج ۴ ص ۲۵۷)

یعنی جس نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی میں اسے جنگ کی وعید سناتا

ہوں۔

تصورِ شیخ کی حقیقت، اہمیت اور تاثیر کے بارے میں کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

تصور کی حقیقت گر تو جانے
تصور راہبرِ مولیٰ تو مانے

نہ کر انکار اس سے یار جانی
تصور مومنوں کی ہے نشانی

تصورِ شیخ ہادیٔ راہ خدا ہے
تصور دافع رنج و بلا ہے

تصور نفس کو کشتہ بنائے
تصور نفس کو مومن بنائے

تصور بن نہیں کچھ یار بنتا
تصور بن نہیں انسان بنتا

تصور سے ملے صحبت دوامی
تصور روح کو زندہ کرائے

تصور نفس کو مردہ بنائے
تصور سے ہووے یہ نفس فانی

تو اے عزیز! ہر انسان کو لازم ہے کہ خاصانِ خدا کی دوستی و مودت کا بیج اپنے دل میں

ہوتے اور ان کی محبت اختیار کرے کیونکہ خاصانِ خدا کی محبت عین محبت الٰہی اور ان کی صحبت خدا تعالیٰ کی معیت ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

او نشیند در حضورِ اولیاء

یعنی جو شخص خدا کے حضور حاضر رہنے کا طالب ہو اس کو چاہیے کہ اولیاء اللہ کی مجلس میں بیٹھے۔

بنا بریں ہر سالک اور طالب مولیٰ کے لئے ضروری ہے کہ ہر وقت اپنے مرشد کی صورت اور محبت کو اپنے دل میں جماتے رکھے۔ جملہ اکابرین امت اور صوفیاء کرام نے اس رابطہ یعنی تصورِ شیخ کو طریقت کا رکنِ اعظم قرار دیا ہے۔ نیز واضح ہو کہ عشق دو قسم کا ہے۔ ایک عشق مجازی، دوسرا عشق حقیقی۔ سو عشق مجازی میں جب تک انسان قدم نہ رکھے تب تک عشقِ حقیقی کو نہیں پا سکتا اور عشق مجازی اپنے مرشد کی محبت اور تصورِ شیخ کو کہتے ہیں۔ ؎

عشق دو قسم است بشنو اے عزیز

یک مجازی یک حقیقی با تمیز

گر نہ بودی در مجازی غرق تو

در حقیقی کے رسی اے راہرو

یعنی اے عزیز سن کہ عشق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجازی اور دوسرا حقیقی۔ سو جب تک تم عشق مجازی سے بہرہ ور نہ ہو گے عشقِ حقیقی تک کیسے پہنچ سکو گے۔؟

Marfat.com

کسی انسان کے ساتھ آدمی کی محبت ہو جائے تو اس سے وصال کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی پیغام بر کو محبوب سے رابطہ و تعلق کے استحکام، محبت کی ترقی اور قرب و وصال کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے! جب اپنے جیسے انسان کے ساتھ گفتگو و ملاقات اور ایک معمولی کام کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے تو محبوب حقیقی جو غنی عن العلمین ہے، اس تک پہنچنے کے لئے مرشد کے وسیلے اور اس کی محبت و تصور کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری کیوں نہ ہو گا؟ خاص کر جبکہ راہِ طریقت میں ہزار ہا خطرات و مشکلات اور مقامات لغزش ہیں، تو اس راہ پر چلنے والوں کے لئے وسیلہ کس قدر ناگزیر ٹھہرتا ہے۔ لہذا تصورِ شیخ پر تنقید و اعتراض اور ہٹ دھرمی کی روش ترک کر کے راہِ طریقت میں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے اور محبوبِ حقیقی کے وصال سے بہرہ ور ہونے کے لئے اپنے شیخ کے تصور اور محبت کو رفیقِ راہ بناؤ۔ ؎

گر ترا عقل است با دانش قریں
با تصور باش اے حیلہ گزیں

یعنی اگر تم عقل و دانائی و فہم رکھتے ہو تو مرشدِ کامل کے تصور کا حیلہ اختیار کر کے وصول الی اللہ کی منزل تک پہنچو۔

☆ ☆ ☆

۲۔ صحبت پیرِ کامل

اے سالکانِ طریقت ! جب تم پیرِ طریقت کا دامن تھام لو تو پھر اپنے شیخ کی صحبت اختیار کرو اور جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ وقت ان کی معیت میں گزارو۔ ہو سکے تو روزانہ ان کی بارگاہ میں حاضری دو ورنہ ہفتہ میں باریابی حاصل کرو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو دوسرے ہفتے ملاقات کے لئے جاؤ اور اگر یہ بھی ممکن نہ تو مہینے میں ایک بار ضرور اپنے پیر کی خدمت میں حاضری دو۔ یاد رکھو کہ راہِ سلوک میں آدمی کے لئے حصولِ مقصد کی خاطر پیرِ کامل کی صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اہل اللہ کی صحبت جادۂ عبادت، روحِ عمل اور عنایتِ الٰہی ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔ ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

گر تو سنگِ خارۂ مرمر شوی
چوں بہ صاحبِ دل رسی گوہر شوی

یعنی اولیاء اللہ کی مجلس میں ایک ساعت بیٹھنا سو سال کی بے ریا طاعت سے بہتر ہے۔ اگر تم پتھر کی طرح ناقص اور بے قیمت ہوتے تو صاحبِ دل کی ہم نشینی سے قیمتی موتی بن جاؤ گے اور اگر سنگِ مرمر کی طرح پہلے سے کچھ باوقعت ہوتے تو پیرِ کامل کی صحبت کے اثر سے گوہرِ بے بہا ہو جاؤ گے۔

اور جب تک تمہیں پیر کامل کی صحبت حاصل نہ ہو مقصود تک رسائی نہ پاسکو گے۔

بجز پیرے نباید رفت ایں راہ

کہ پیرے می کند از سرّ آگاہ

یعنی پیرِ کامل کے بغیر اس معرفت کے راستے پر نہیں چلنا چاہیے کیونکہ پیر ہی ہے جو تمہیں اسرارِ الٰہی سے آگاہ کرے گا۔

اصل یہ ہے کہ تقویٰ اور زہد کا علم حاصل کرنا الگ چیز ہے اور کسی عارفِ کامل مردِ خدا کی صحبت میں رہ کر ان کے اخلاق واوصاف اپنانا اور اپنی سیرت و کردار کی تعمیر کرنا دوسری بات ہے۔ پہلی صورت محض قال ہے اور دوسری صورت میں قال و حال دونوں ہیں۔ اگر اس حقیقت کا ثبوت درکار ہو تو آج کے اکثر علماء اور دانشوروں کی حالت دیکھ لو کہ وہ شریعت کے تمام اوامر ونواہی کا علم رکھتے ہوئے بھی رذائلِ نفسانی میں گرفتار ملیں گے۔ پس یہ کہنا کہ ہر شخص کسی عارفِ کامل کی صحبت کے بغیر محض رسمی عبادت وریاضت کے ذریعے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس حاصل کر سکتا ہے محض ایک گمانِ باطل اور خود فریبی ہے۔ خاکسار مؤلفِ کتاب کو متعدد علماء کی حالت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور اس کا ذاتی مشاہدہ و تجربہ ہے کہ یہ لوگ علم و فضل میں کامل دستگاہ رکھنے اور اکثر اوامر ونواہی کے پابند ہونے کے باوجود خواہشاتِ نفسانی اور رذائلِ اخلاق، غصہ، حسد، غرور، حرص، شہوت، بخل، تکبر و عجب وغیرہ سے ہرگز محفوظ نہیں ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایسے بہت سے کم علم لوگوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جو صرف شیخِ کامل کی توجہ کے اثر اور صحبت کی برکت سے مذکورہ تمام رذائلِ نفسانی سے بالکل پاک ہو گئے ہیں۔ پس تجربہ شاہد ہے کہ تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت و کردار کے لئے شیخ

کامل کی صحبت ازبس ضروری ہے اور سچ تو یہ ہے کہ آدمی میں دینداری کا ذوق بھی کسی اللہ والے کی نظر سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

تا نیفتد بر تو مردے را نظر
از وجود خویش کتے یابی خبر

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظلِ پیر
دامن آں نفس کش را سخت گیر

یعنی جب تک تجھ پر کسی مرد کامل کی نگاہ نہ پڑے تجھے اپنے وجود اور اپنے آپ کی بھی خبر نہیں ہو سکتی۔ پیر کے سایۂ عاطفت کے بغیر نفسانی خواہشات کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے نفس امارہ کو مطیع و منقاد بنانے والے کسی شیخِ تربیّت کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔

بنا بریں مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ جب تک طریقت میں استحکام اور سلوک میں استقامت حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک شیخ کی صحبت سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی اختیار نہ کرے ورنہ اندیشہ ہے کہ شیطان اس کا ہم نشین وساتھی بن کر اسے فتنہ میں ڈال دے گا۔ سالک گوشہ نشینی اور خلوت اس وقت اختیار کرے جب کہ صحبت اور خلوت اس کے لئے یکساں ہوں۔ اگر مرید اس مرتبہ و مقام تک پہنچنے سے پہلے ہی خلوت گزیں ہو جائے تو اس کے لئے خلوت موجبِ آفت ہو جائے گی۔ اس لئے مبتدی کو پیر کی صحبت، نماز پنجگانہ اور رمضان المبارک کے روزوں کی طرح فرض سمجھنی چاہیے اور صحبت اختیار کرنے کے بعد اس کا حق ادا کرنا چاہیئے تاکہ اس کے فوائد واثرات پوری طرح حاصل ہوں۔

بزرگوں کا قول ہے اَلْشَیْخُ یُحیِ وَیُمِیْتُ یعنی شیخ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔
یہاں زندہ کرنے سے مراد روحانی زندگی اور موت سے مراد نفسِ امارہ کی موت ہے اصطلاحِ طریقت میں انہیں فنا وبقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فنا وبقا۔ ولایت کے اعلیٰ مقامات اور روحانی کمالات میں سے ہیں اور کوئی آدمی شیخِ طریقت سے نسبت اور اس کی صحبت و تربیت کے بغیر ان روحانی کمالات اور باطنی دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بظاہر مجاہدہ وریاضت کے ذریعے کشف و کرامات اور خوارقِ عادات کا مظاہرہ کرنے لگے مگر اصل روحانی دولت سے تہی دامن ہی رہتا ہے۔

پس اے عزیز من! اگر تم حق تعالیٰ کی ہم نشینی کے طالب ہو تو پھر عاشقانِ جمالِ حق اور واصلانِ بارگاہِ رب کی صحبت اختیار کرو۔ اور اگر تم اہل اللہ کی صحبت کے کیف وسرور اور ان کے ولولہ۔ عشق و محبت اور ذوق وشوقِ عرفانی سے آشنا ہو تو پھر تمہیں اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے اور اگر یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل ہو جائے تو پھر اس کو خدا تعالیٰ کی عین مہربانی سمجھنا چاہیے۔

ہر چہ دریں عالم است از صحبت است
ورنہ کجا یافتے چوب بہائے نبات

یعنی جو کچھ بھی اس جہان میں ہے وہ صحبت ہی کے اثر سے ہے ورنہ ایک لکڑی کہاں شکر کی قیمت پاتی۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ پودا شروع میں کمزور ہونے کے باعث اپنے بل پر کھڑا نہیں ہو سکتا لہذا کسان اس کے ساتھ لکڑی باندھ دیا کرتے ہیں پھر وہ لکڑی کی صحبت کی وجہ سے کھڑا بھی ہو جاتا ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ اب خود دیکھ لو کہ لکڑی کی صحبت کا اثر اس کو نشوونما کا کیسا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رہبرِ کامل کی صحبت

سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے اور طالبانِ مولٰی کے لئے پیر کی صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ ؎

صحبت پیر بہ ز ہر عمل است
ہر کہ با اونشست با عمل است

ایں عمل شاہراہِ پنہاں است
راہبرت سوئے وصلِ جاناں است

یعنی پیرِ کامل کی صحبت ہر عمل سے بہتر ہے اور جس نے یہ صحبت اختیار کر لی وہ با عمل ہے۔ یہ بارگاہِ الٰہی تک رسائی کا پوشیدہ راستہ اور محبوبِ حقیقی کے وصال کا مؤثر ذریعہ ہے۔

انسانی ہدایت و سعادت اور اصلاح و تربیت کیلئے رہبر کامل کی صحبت کس قدر ضروری ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے ہر دور اور ہر قوم میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے جنہوں نے اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے بے پناہ مشقت اٹھائی۔ جو لوگ ہدایتِ ربانی کی آغوش میں آئے اور دامنِ نبوت سے وابستہ ہوئے ان کے نفوس پاکیزہ ہو گئے اور ان کی زندگی اسوۂ پیغمبر کے سانچے میں ڈھل گئی۔ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کو جو بے پناہ فضیلت و عظمت حاصل ہے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ کیمیا اثر کا فیض اور صحبت و معیت کا کرشمہ ہے۔ اور اب قیامت تک جس شخص کو دین وہدایت اور فلاح وسعادت کا کچھ حصہ ملے گا ہمیشہ وارثانِ نبوت اولیاء کرام کے فیض صحبت ہی سے ملے گا۔ پس اے طالب مولیٰ! عاشقان بلند پرواز کی صحبت غنیمت جان اور ان کی بابرکت صحبت سے حظِ وافر حاصل کر۔ ؎

با عاشقاں نشین و توہم عاشقی گزیں
ہر کس کہ نیست عاشق یکدم مشو قریں

یار غالب باش تا غالب شوی
یار مغلوباں مشو اے مبتدی

یعنی عاشقانِ الٰہی کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرو اور خود بھی عشق و محبت کا راستہ
پناؤ۔ جس شخص کا سینہ عشق الٰہی کی حرارت سے محروم ہو اس کے ساتھ ایک پل بھی
بط و تعلق نہ رکھو۔ روحانی اعتبار سے جو لوگ غالب اور طاقت ور ہیں ان کے ساتھ دوستی
کھو تاکہ خود بھی غالب رہو۔ اے سالک مبتدی! روحانیت کے سفر میں کمزور و ناتواں
نخص کی رفاقت سے اجتناب کر۔

حضور نبی کریم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے۔
اَصْحِبُوْا مَعَ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اختیار کرو۔

اس سے مراد بندے کا اللہ تعالیٰ سے روحانی تعلق اور حضور و آگاہی ہے۔ اب یہ
معلوم ہے کہ پروردگارِ عالم جل جلالہ کی بارگاہِ عزت کی رفعتوں سے کماحقہ آگاہی اور
س کے حریم قدس میں باریابی اور دائمی حضوری ہر آدمی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ تو
ل اللہ کی صفت ہے۔ جو آدمی یہ صفت حاصل کرنا چاہے اس پر اہل اللہ کی محبت لازم
ہے۔ بنا بریں اس حدیث پاک میں درحقیقت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی صحبت
ختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی علم و عمل، عبادت و ریاضت، خلوت و گوشہ نشینی
ور کوئی بھی عمل ان برگزیدہ ہستیوں کی صحبت کے برابر نہیں ہے۔ حضرت شیخ سعدی

رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرما گئے ہیں۔ ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالح ترا طالح کند

یعنی نیک آدمی کی صحبت تجھے نیک بنا دے گی اور برے کی صحبت تجھے بھی بد کار بنا دے گی۔

الغرض اے طالبانِ طریقت! اگر تم چاہتے ہو کہ صاحب دل بن جاؤ تو اہلِ دل کی صحبت میں بیٹھو تاکہ وہ تمہارے دل کا تزکیہ کر کے اسے زندہ و بیدار کر دیں۔ کسی اہلِ دل کی ہم نشینی کے بغیر صاحبِ دل ہونا دشوار ہے۔ اور پھر جس کو یہ دولت میسر آ جاتے بحر و بر اس کے تصرف میں آ جاتے ہیں اور اِس دنیا کے ظاہری بادشاہ اُس کے محتاج ہوتے ہیں۔ ؎

بادشاہِ ایں جہاں محتاج است

اولیاء را جملہ کارے در بدست

یعنی اس جہاں کے بادشاہ تو محتاج ہیں کیونکہ تمام معاملات کا انتظام اولیاء اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کیا پیشہ اختیار کیے ہوتے ہیں؟ فرمایا! دنیا کو اس کے خواہش مندوں کے لئے چھوڑ دیا اور آخرت کو اس کے طالبوں کے لئے رہنے دیا ہے اور خود اس جہانِ دنیا کے اندر اپنے مولیٰ کی یاد میں مشغول اور اس جہانِ آخرت میں پروردگارِ عالم کے دیدار کا گرویدہ ہوں۔ ایسے ہی لوگ در حقیقت خدا کے سچے عاشق، خالص روحانیت کے دلدادہ اور دین کے سچے

پیرو کار ہیں۔ انہی صوفیانِ باصفا کی معیت و رفاقت میں رہ کر انسان متقی اور پرہیز گار بن سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی خدا کے سچے بندوں کی صحبت میں رہنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ

(التوبہ: ۱۱۹)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت کریمہ میں صادقین کی صحبت اختیار کرنے کا واضح اور دوٹوک حکم دیا گیا ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تقویٰ کا حصول انہی اولیائے کرام کی صحبت و ہم نشینی پر موقوف ہے۔

اگر خواہی کہ خلوت را گزینی

پس آں بہتر کہ پیشِ شیخ شینی

یعنی تم اگر روحانی کمالات حاصل کرنے کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہتے ہو تو سن لو کہ تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر اور مفید یہ ہے کہ اپنے شیخ کی صحبت و معیت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارو۔

پس اے سالکان طریقت! تمہیں چاہیے کہ اپنے شیخ کی صحبت میں اس طرح رہو کہ ان کی پاکیزہ مجلس کے انوار سمیٹو۔ ان کی روحانیت سے کسب فیض کرو۔ ان کے فکر و عمل کی رہنمائی میں اپنے آپ کو سنوارو۔ ان کے جذبہ و شوق سے محبت الٰہی کی سوغات پاؤ۔ ان کے اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ حمیدہ کی پیروی کرو تاکہ اپنے شیخ کی سیرت و کردار اور

Marfat.com

پاکیزہ شخصیت کی کچھ جھلک اپنے اندر بھی پیدا کر سکو کہ یہی پیر کی بیعت اور صحبت و ہمنشینی کا اولیں مقصود ہے۔

باب دوم

ذِکر

فصل اوّل عظمتِ ذِکر

فصل دوم اقسامِ ذِکر

فصل سوم لطائفِ سبعہ
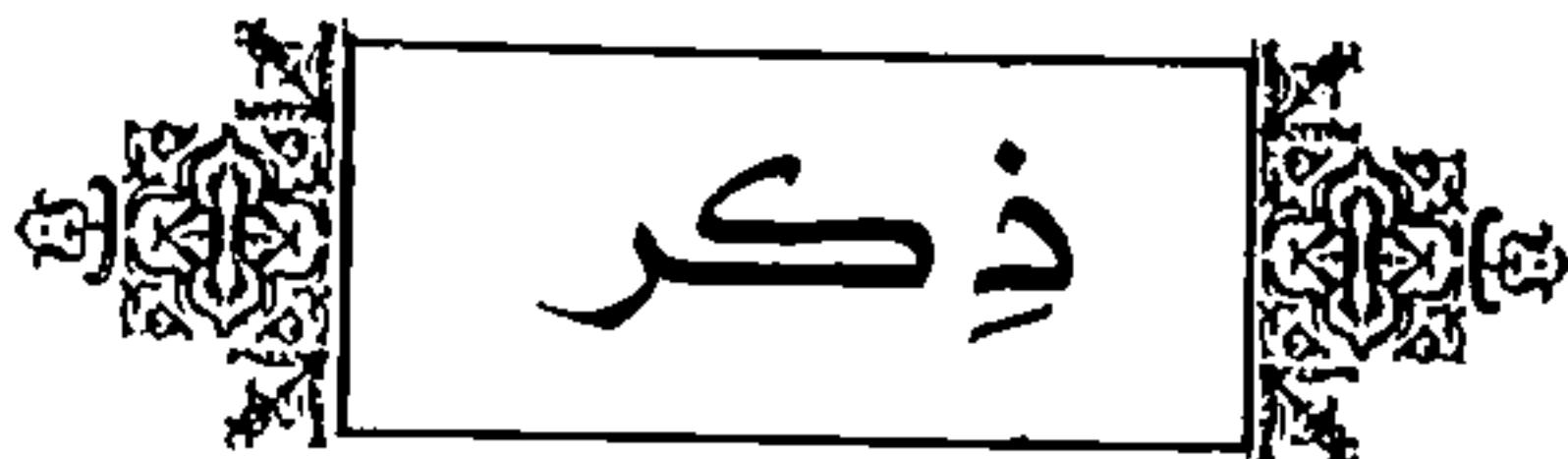
فصل اول:

عظمتِ ذکر

ا۔ تصفیۂ قلب

قلب سے مراد مضغہ۔ صنوبری نہیں بلکہ ایک لطیفہ۔ ربانی و روحانی ہے۔ انسانیت کا دارومدار اسی لطیفہ۔ ربانی پر ہے۔ یہی شعور وادراک، جذبہ واحساس اور علم وعرفان کا سرچشمہ ہے۔ اسی قلب کو بیت الرب اور عرش اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سلوک میں اسی قلب کا تصفیہ مطلوب ہے۔ ؎

دل یک منظر ایست ربانی
خانہ۔ دیوار را چہ دل خوانی

دل یکے خانہ ایست ربانی
از برائے سکونت او دائی

یعنی دل ایک ربانی منظر ہے کہ دیواروں کے گھروندے کو تو دل نہیں کہتے۔ دل ایک خدائی گھر ہے جس میں اس کی سکونت واقامت ہے۔

قلب انسانی حیات کا سرچشمہ، اس کی شخصیت کا مرکز اور پورے وجود کا حکمران ہے۔ اس کے صالح اور فاسد ہونے پر انسان کی سعادت اور گمراہی کا دارومدار

Marfat.com

ہے۔ دل ایک آئینہ ہے جو دنیاوی اغراض کی کثافتوں، گناہ کی آلائشوں اور نت نئی خواہشات کی غلاظتوں سے آلودہ ہو کر فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان بھی انسان کے دل میں مستقل ڈیرہ ڈال لیتا ہے۔ اور طرح طرح کے وساوس و خطرات میں مبتلا کر کے اسے اللہ تعالیٰ سے دور اور یادِ الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ انسان کا دل برائیوں کی طرف مائل اور نیکیوں سے غافل ہو جاتا ہے۔

سلوک کا مقصد اس قلبِ انسانی کو ہر طرح کی کدورت و ظلمت سے پاک کرنا اور آئینہ دل کو اجالنا ہے تاکہ اس میں روحانی فیوض و برکات اور الوہی انوار و تجلیات منعکس ہوں۔ تصفیہٴ قلب کا سب سے مؤثر ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جس انسان کا دل ذکر الٰہی میں مشغول ہو شیطان اس سے دور بھاگتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ مُلْتَقِمٌ قَلْبَ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَنَسَ عِنْدَهُ وَإِذَا نَسِيَ الْتَقَمَ قَلْبَهُ . ۱ کنزالعمال حدیث ۵۸۸۱

یعنی شیطان آدمی کے دل کے ساتھ چمٹا رہتا ہے جب بندہ خدا کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ غافل ہو جاتا ہے تو شیطان دوبارہ وسوسہ اندازی شروع کر دیتا ہے۔

تصفیہٴ قلب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان کسی رہبرِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رہنمائی اور نگرانی میں مسلسل ریاضت و مجاہدہ اور فکر و مراقبہ کے ذریعے سلوکِ طریقت مکمل نہ کرے۔ شیخِ کامل ہی انسان کو شیطان اور نفسِ امارہ کے

مکر وفریب سے بچنے اور آئینۂ دل کو دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھنے کی صحیح تدابیر سکھاتا اور ان پر عملدرآمد کی مشق کراتا ہے۔ نیز شیخ کی صحبت و معیت ہی تصفیۂ قلب کا بہترین ذریعہ ہے۔ ؎

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل بیار آرد

نہال دشمناں بر کن کہ رنج بے شمار آرد

یعنی کسی شیخ کامل سے نسبت کا درخت لگا تاکہ دل کی تمنا ثمر بار ہو اور روح کے دشمنوں (نفس و شیطان) کی جڑیں اکھاڑ دے کیونکہ یہ اگر باقی رہ گئے تو بہت سے رنج و غم میں مبتلا کر دیں گے۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

در جوار خود عدو را راہ مدہ

از برائے آنکہ دشمن دور بہ

یعنی اپنے پڑوس میں دشمن کو مت ٹھہرنے دو۔ اسلئے کہ دشمن دور ہی بہتر ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

۲: فضیلتِ ذکر

اس میں کوئی شک نہیں کہ تزکیۂ روح اور تصفیۂ قلب کا سب سے مؤثر ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ دل کی یہ خاص صفت ہے کہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی خیال، سوچ یا ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ اب چونکہ انسانی روح کی حقیقی سرشت اور اصلی فطرت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر سے پڑی ہے۔ لہذا اگر انسان کا دل ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہے تو پاکیزہ اور بیدار رہتا ہے لیکن اگر یادِ حق سے غافل ہو کر دنیاوی خیالات اور نفسانی خواہشات میں مگن ہو جائے تو کثیف اور زنگ آلود ہو کر بالآخر مردہ ہو جاتا ہے۔ دل کا زنگ صاف کرنے اور اسے جلا بخشنے کے لئے ذکرالٰہی کی اشد ضرورت ہے۔ ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى

(کنزالعمال حدیث ۱۷۷۷)

یعنی ہر چیز کی صفائی کے لئے ایک صیقل ہے اور دل کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

تصوف تزکیۂ قلب وروح کا علم ہے اور اس کی تمام تر تعلیمات اور اعمال واشغال کی بنیاد ذکر الٰہی پر استوار ہے۔ ذکر کا مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل ودماغ سے

غفلت دور ہو اور دوام آگاہی حاصل ہو جائے یعنی ذکر و حضور ایک ایسا ملکہ بن جائے کہ دنیاوی مشاغل کے دوران بھی قلب میں اس کی گونج باقی رہے۔ کثرت ذکر سے بالآخر دل کی کثافت اور میل صاف ہو جاتا ہے۔ غفلت کے داغ دھبے دور ہو جاتے ہیں اور انسان حریم قدس میں باریابی کے لائق ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بار بار اہل ایمان کو کثرت ذکر کی تلقین فرمائی ہے اور طرح طرح سے ذکر اللہ کی اہمیت و تاثیر اجاگر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (الاحزاب : ۴۱)

یعنی اے ایمان والو ! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ (النساء : ۱۰۳)

یعنی تم کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہو۔ (کبھی اس کے ذکر سے غافل نہ ہو)

اور سب سے بڑھ کر اہل ایمان کے لئے یہ بشارت ہے کہ:

فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ (البقرۃ : ۱۵۲)

یعنی تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔

سبحان اللہ ! اس سے بڑی نعمت اور اس سے بلند مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کائنات

کا خالق و مالک اپنے کسی بندے کو یاد کرے۔ اس یاد کرنے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاکر بندوں پر خاص نظرِ رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بندوں کو اس ذکر الٰہی کے انعام میں جنت کی بشارت ملتی ہے اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ۔ مقربین کے سامنے ان ذاکر بندوں کا فخر کے ساتھ تذکرہ کرتا ہے جیسا کہ متعدد احادیث طیبہ سے ثابت ہے۔ ذکر اللہ کے یہی انعامات اتنے بڑے اور بیش بہا ہیں کہ انسان دنیا کی ہر چیز سے دل ہٹا کر ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول ہو جائے تو بھی کم ہے۔ مگر ہزار افسوس ہماری شومیٔ قسمت اور کم فہمی و نادانی یہ کہ اول تو ہم اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہی نہیں اور اگر کرتے بھی ہیں تو اس کے ذکر کا حقِ ادا نہیں کرتے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے بھی ہمارے دل اس کی یاد سے غافل ہی رہتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غفلت تو دوزخیوں کی نشانی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

اگر دل باخدا داری نہ گردی زوجدا ہرگز

اگر دل زوجدا داری بدوزخ میروی حقاً

یعنی اگر اپنا دل خدا کی یاد سے آباد رکھو گے تو کبھی اس سے جدا نہ ہو گے اور اپنے دل کو اس کی محبت سے محروم اور اس کی یاد سے غافل رکھو گے تو پھر تم یقیناً دوزخ میں جاؤ گے۔

ذکرِ الٰہی سے انسان کو خدا تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کی بے انتہا بخششوں اور بے پناہ رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور جستجو میں ہر دم لگا رہے۔ اس کا کوئی لحظہ خدا کی یاد کے بغیر نہ گزرے

کیونکہ جو تلاش کرتا ہے وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے اور جو یاد کرتا ہے وہ فیضیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یوں مروی ہے کہ:

أَنَا مَعَ عَبْدِيْ مَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ

(صحیح بخاری، باب فضل الذکر)

یعنی جب بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے اس بندہ کے پاس ہوتا ہوں۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بیان فرماتے ہیں کہ أنا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي ، وأنا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي ، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي ، وإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ ،

(صحیح بخاری، باب فضل الذکر)

یعنی میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اسی طرح تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت لپکتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اگر وہ ایک ہاتھ آتا ہے تو میں دو

ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر جاتا ہوں۔

اس حدیثِ قدسی کی ترجمانی ان اشعار میں بخوبی کی گئی ہے کہ ؎

تو خاصہ ما باش، ما نیز تُرائیم
در ہر دو جہاں مقصد و مطلوب تو مائیم
گر یک قدم از راہِ طلب سوئے من آئی
ما صد قدم ازراہ کرم سوئے تو آئیم

یعنی تم اپنے آپ کو میرے لئے خاص کر لو تو پھر میں تمہارے لئے ہوں اور یاد رکھو کہ دونوں جہان میں تمہارا مقصود و مطلوب میں ہی ہوں۔ اگر تم ایک قدم تلاش و جستجو کی راہ سے میری طرف آؤ تو میں سو قدم ازراہ مہربانی تمہاری طرف بڑھتا ہوں۔

فی الواقع بندے اور خدا کے درمیان سوائے ذکر کے اور کوئی رشتہ و تعلق ایسا نہیں جو بندے پر معرفتِ الٰہی اور قرب و رضائے حق کے جاودانی راستے کھول دے اور اسے حریمِ قُدس میں باریابی کے لائق بنادے۔ انبیاء و اولیاء سبھی نے ذکر کے وسیلے سے خدا کو پایا ہے۔ ذکر ہی ہر طلب کی تکمیل اور ہر قفل کی کلید ہے۔ یہی کائنات کی روح اور زندگی کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کی ہر چیز میں زندگی کے آثار ذکر اللہ ہی کی بدولت ہیں۔ اگر یہ روح نکل جائے تو دنیا محض ایک ڈھانچہ کے سوا کچھ نہیں۔ انسان کے دل کی

دھڑکنوں میں جب تک ذکر الٰہی رچا بسا رہے اس کی روح زندہ رہتی ہے اور جونہی وہ ذکر اللہ سے غافل ہو جاتے محض ایک زندہ لاش کی طرح زمین کا بوجھ بن جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث پاک میں اشارہ ملتا ہے کہ :

« مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ».

(بخاری باب التوحید

یعنی جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی طرح ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ در حقیقت صرف وہی شخص زندہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور ہے اور جو اپنے رب کے ذکر سے غافل ہو وہ تو بس مردہ ہی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست
زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد

یعنی زندگی اس ظاہری حیات کو نہیں کہتے جو مجھے حاصل ہے بلکہ زندہ تو دراصل وہ ہے جس کو اپنے دوست کا وصال حاصل ہے۔

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور معیت جس کو میسر ہو زندگی اسی کی ہے کہ دین و دنیا کے سارے کام قرب الٰہی سے سنورتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص خدا کی یاد سے غافل ہو وہ بارگاہ الٰہی سے دور رہتا ہے۔ اس کے لئے دنیا میں بھی بربادی اور آخرت

میں بھی خرابی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: ۲۲)

یعنی بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو گئے ہیں۔ وہ تو کھلی گمراہی میں ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشادی باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ (طٰہٰ: ۱۲۴)

یعنی جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے اور روز قیامت اسے ہم اندھا اٹھائیں گے۔

ان آیات کریمہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جو شخص یادِ خدا سے غافل ہو وہ کھلی ہوئی گمراہی اور بربادی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس دنیا میں وہ تنگیٔ معاش اور مصائبِ روزگار میں مبتلا ہوگا اور آخرت میں تو اس کے لئے سوائے حسرت و افسوس، ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کے اور کچھ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ذکرُاللہ سے غافل آدمی خدا کا دشمن ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: الٰہی تیرا دوست کون ہے اور دشمن کون؟ جواب ملا: میرا دوست وہ ہے جو مجھے یاد کرتا ہے اور جو میرے ذکر سے غافل ہو وہ میرا دشمن ہے"۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کے دشمن کا انجام دونوں جہان میں ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

ہر کہ او از یاد حق غافل بود
در عقوبت زاری حاصل شود

اے برادر ! گر تو ہستی حق طلب
جز بفرمان خدا مکشائی لب

یعنی جو کوئی خدا کی یاد سے غافل ہو انجام کار اسے رونا ہو گا۔ اے بھائی ! گر تم خدا کے متلاشی ہو تو پھر خدا کے حکم کے بغیر ہونٹ بھی مت ہلاؤ۔

بنا بریں اگر انسان عذابِ الٰہی سے رستگاری اور دنیا و آخرت میں سرخروئی چاہتا ہے تو اس کے لئے ذکرِ الٰہی کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ذکرُاللہ کی کثرت ہی انسان کو دنیا، نفس اور شیطان تینوں کے فتنوں سے بچاتی اور قرب و رضائے الٰہی سے شاد کام کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۔ مَا عَمِلَ آدمِيٌ عملاً أنجىٰ لَهُ مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكرِ اللهِ، قَالُوا : وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ ؟ قَالَ : وَلَا الْجِهَادُ إِلَّا أَنْ تَضْرِبَ بِسَيْفِكَ حَتّٰى يَنْقَطِعَ (معجم طبرانی)

یعنی کوئی بھی چیز ذکر اللہ کے مقابلے میں عذاب الٰہی سے نجات دلانے والی نہیں ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے عرض کیا: خدا کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں ہے؟ تو فرمایا۔ وہ بھی نہیں، اگرچہ مجاہد فی سبیل اللہ اس قدر

تلوار چلاتے کہ وہ ٹوٹ ہی جاتے۔

ایک اور حدیث پاک میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمالِكُمْ ، وأَزْكَاها عِنْدَ مَلِيكِكُمْ ، وأَرْفَعِها فِي دَرَجاتِكُمْ ، وخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِنْفاقِ الذَّهَبِ والْفِضَّةِ ، وخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْناقَهُمْ ويَضْرِبُوا أَعْناقَكُمْ ؟» قالُوا : بَلَى ، قالَ : « ذِكْرُ اللهِ تَعالَى » . (الترمذی باب فضل الذکر)

یعنی کیا میں خبر نہ دوں تم کو، اعمال میں تمہارے مالک کے نزدیک سب سے بہتر، پاکیزہ تر، سب سے ارفع و اعلیٰ عمل کی جو تمہارے لئے سونا چاندی راہِ خدا میں خرچ کرنے اور دشمن سے جنگ کرنے، ان کی گردن مارنے اور خود شہادت پانے سے افضل ہے۔ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

انہی احادیث طیبہ کی بناء پر علماء اور صوفیاء نے بالاتفاق ذکر اللہ کو تمام عبادات اور جملہ اعمال شرعیہ سے افضل قرار دیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (العنکبوت: ۴۵)

Marfat.com

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے بڑا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کو اکبر یعنی سب سے بڑا فرما دیا تو پھر اس کی فضیلت و برتری میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ پس دین و شریعت اور ایمان و اعمال سب کی جان ذکر اللہ ہے۔ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، تلاوت اور جہاد سبھی ارکان و اعمال ذکر اللہ کے مختلف مظاہر اور پر تو ہیں۔ ذکر کے بغیر ہر عبادت ایک جسدِ بے روح اور لفظِ بے معنی کی طرح ہے۔ ذکر در حقیقت انسانی اعمال کے لئے بمنزلہ اخلاص کے ہے۔ جس طرح اخلاص نہ ہو تو کوئی عمل عنداللہ مقبول نہیں ہوتا۔ اسی طرح ذکرِ اللہ کے بغیر ہر عمل محض ایک شکل اور ہر عبادت محض ایک عادت میں ڈھل کر رہ جاتی ہے۔ اور جس شخص کو دوام ذکر یا کثرتِ ذکر کی توفیق میسر آ گئی اس کا دونوں جہان میں بیڑا پار ہو گیا۔ حضرت ابو اللیث سمر قندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ میں پانچ خاصیتیں ہیں:

۱۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے۔

۲۔ اس سے طاعت و عبادت کی حرص زیادہ ہوتی ہے۔

۳۔ جب تک بندہ ذکر اللہ میں مشغول رہے شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ ذکر اللہ سے انسان کے دل میں رقت اور گداز پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ ذکر کی برکت سے آدمی گناہوں سے باز آ جاتا ہے۔

؎ منزلت ایں ذکر بالائی کند
قرب تو از حق تعالیٰ می کند

یعنی خدا کی یاد سے مرتبہ اونچا ہوتا ہے اور اس سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

پس اے برادران طریقت! تمہارے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں غافل نہ ہو۔ انسان کے لئے قرب الٰہی حاصل کرنے اور عشقِ الٰہی میں غرق ہونے سے بہتر کوئی کام نہیں۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ تم اسم پاک اللہ کا ہر وقت ورد رکھو۔ کیونکہ جب تم کثرت سے ذکر کرو گے تو اس کے نور سے تمہارا دل پاک صاف ہو کر چاند کی طرح روشن ہو جائے گا اور ایک عجیب لذت حاصل ہو گی۔

ذکر کن ذکر تا تراجان است
پاکئ دل زِ ذکرِ یزدان است

یعنی جب تک تمہارے جسم میں جان ہے اللہ کا ذکر جاری رکھو کیونکہ دل کی پاکیزگی اور نورانیت تو بس خدا کے ذکر ہی سے ہے۔

ذکر الٰہی ایک گنجِ گراں مایہ ہے جس کا بدل اس پوری کائنات میں کوئی چیز نہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ: "یہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر اور اس کی مماثل چیزوں کے"۔

پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ یادِ الٰہی میں بسر کریں۔ کیونکہ جس شخص کو ذکرِ الٰہی کی توفیق مل گئی اس نے دونوں جہان کی سعادت پالی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

ے بہر دم حضوری خدا خوشتر است
بحکم الٰہی رضا خوشتر است

یعنی ہر وقت اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہنا کیا ہی اچھا ہے اور حکم الٰہی پر راضی رہنا بہت بہتر ہے۔

ے دما دم بزن تیغِ "لا" نفس را
بریں نفس و شیطان غذا خوشتر است

یعنی ہر گھڑی اپنے نفس پر لا (فنا) کی تلوار چلا کیوں کہ نفس و شیطان کے لئے یہی غذا مناسب ہے۔

ے بیاد خدا باش ہر دم حضور
حضوری خدا از لقا خوشتر است

یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہر وقت حاضر رہو کیونکہ بارگاہ الٰہی میں اس طرح کی حضوری بہت ہی اچھی ہے

ے غنیمت شمر فرصت وقت را
کہ عجز و نیاز و دعا خوشتر است

یعنی فرصت کا وقت غنیمت سمجھو اور ذکر میں مشغول رہو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و نیازمندی اور دعا ہی سودمند ہے۔

یکے دم باخلاص آور بدست
کہ اخلاص از گنجہا خوشتر است

یعنی ایک گھڑی بھر کا خالص عمل بھی ہاتھ سے نہ جانے دو کہ اخلاص تو خزانوں کے ڈھیر سے کہیں بہتر ہے۔

بجان و دل اندر رہ حق شتاب
کہ در عشق حق نالہا خوشتر است

یعنی دل و جان سے خدا کی راہ میں کوشش کرو اور دیکھو کہ خدا کے عشق میں گریہ وزاری کتنی اچھی اور پیاری ہے۔

فنا در فنا شو بیادِ خدا
پس آں گہ بقا در بقا خوشتر است

یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں فنا در فنا ہو جاؤ کہ اس فنا کے بعد بقا در بقا کا مقام ملے جو بہت ہی اچھا اور دلکش ہے۔

یہ زندگی خدا کی نعمت بھی ہے اور امانت بھی لہذا اس کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ذکر الٰہی میں بسر ہو۔ جب تک جسم میں جان موجود ہے مہلت باقی ہے۔ لہذا اس فرصت کو غنیمت سمجھو اور کبھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔ انسان کے وجود میں ہر روز پچیس ہزار بار سانس کی آمد و رفت ہوتی ہے اور ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر لازم ہے۔ جو دم غفلت میں گزرے وہ کفر کا مصداق ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

غافلی کفر یست پنہاں اہل دیں را در وجود
ایں چنیں غافل شدن را حاجت زنار نیست

Marfat.com
Marfat.com

یعنی دین دار لوگوں کی غفلت ان کے وجود میں چھپا ہوا کفر ہے اور اس کفر کے لئے نشانی کے طور پر زُنار کی ضرورت بھی نہیں۔

پس اے بھائی! خبردار ہو جا۔ وقت کو ضائع نہ کر۔ ہوش سے کام لے اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جا۔ اگر یہ زندگی غفلت میں رائیگاں کر دی تو اس کی تلافی کے لئے دوبارہ دنیا میں آنا ممکن نہ ہو گا۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو اور اس سے خوب کام لو ورنہ بعد میں حسرت و ندامت ہو گی۔ بقول شاعر: ؎

نہ کردی در جوانی ہیچ کارے
بہ پیری کے توانی کرد کارے

یعنی جوانی میں تم نے کچھ کام نہیں کیا تو اب بڑھاپے میں کیا کر سکو گے۔

؎ نہ دارد کارِ دنیا اعتبارے
دو روزے یا سہ روزے یا چہارے

یعنی دنیا کے کام کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ تو دو دن کی زندگی ہے یا تین دن کی یا چار کی۔

؎ بہ غفلت می گزاری روزگارے
مگر در گور خواہی کرد کارے

یعنی اس وقت تو تم یوں غفلت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہو جیسے کہ شاید قبر میں جا کر کچھ عمل کرنے کا ارادہ ہے۔

ذکر الٰہی انسان کے لئے دنیا و آخرت کی بہت بڑی سعادت ہے اس کے اثرات لامحدود

اور اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ایک روایت میں منقول ہے کہ انسان ایک بار اسم ذات کا ذکر کرتا ہے تو اللہ کریم اس کے ذکر سے ایک انتہائی بیش قیمت موتی پیدا فرماتا ہے۔پس اگر روزانہ پچیس ہزار دم کے ساتھ اسم پاک اللہ کا ذکر کیا جائے تو پچیس ہزار موتی پیدا ہوں گے۔ بعض مشائخ رحمہم اللہ نقل کرتے ہیں کہ جو موتی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے پیدا ہوتے ہیں انہیں بارگاہِ عالی میں پیش کیا جاتا ہے۔اللہ کریم ان موتیوں کو قبول فرما کر فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس ذاکر بندے کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرو۔ فرشتے اللہ کے حکم سے اس بندے کے لیے ایک نہایت خوبصورت اور عالیشان محل تعمیر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب تک وہ بندہ ذکر کرتا رہتا ہے محل کی تعمیر جاری رہتی ہے۔اور جب وہ ذکر چھوڑ دیتا ہے تو تعمیر کا کام بھی بند ہو جاتا ہے۔ پھر جب دوبارہ ذکر شروع کرتا ہے تو تعمیر بھی جاری ہو جاتی ہے۔ بعض ذاکر بندوں کو وفات کے وقت یہ محل دکھا دیا جاتا ہے۔اس کے برعکس جو آدمی اپنی زندگی یاد الٰہی سے محرومی اور بے پروائی میں بسر کرتا ہے۔اس کی غفلت میں گزرنے والی ہر سانس سے ایک خوفناک سانپ یا بچھو جنم لیتا ہے جو قبر میں اس پر مسلط ہو گا۔

پس اے میرے عزیز! خبردار اپنی سانس کے قیمتی موتیوں کو ضائع نہ کرو۔ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہو۔ اگر زندگی یونہی غفلت میں گزر گئی۔ وقت ضائع ہو گیا اور مہلت عمل ختم ہو گئی تو پھر تمہیں اس ضیاع و نقصان پر بہت افسوس اور حسرت ہو گی۔ لیکن تب کچھ حاصل نہ ہو گا۔اس وقت اپنی حیات مستعار کے ایک ایک سانس کی قدر صحیح طور پر معلوم ہو گی۔ لہٰذا دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی عمر کا جو حصہ باقی ہے اسے

غنیمت جانو۔ عذاب قبراور حشر کی رسوائی سے ڈرتے رہو اور اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ یادالٰہی میں بسر کرو۔

؎ اگر خواہی عقوبت رستگاری

مشو غافل ز یادِ کردگاری

یعنی اگر تم عذابِ خداوندی سے رہائی چاہتے ہو تو اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا۔

☆ ☆ ☆

۳۔ مجالسِ ذکر

بعض لوگ مجالسِ ذکر کے انعقاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی کی خاطر عوام کے جمع ہونے کو بدعت کہہ کر ممنوع ٹھہراتے ہیں اور بعض نادان تو اس ضمن میں اہل اللہ پر زبان طعن دراز کرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی جہالت اور سفاہت کی بناء پر ایسا کرتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ ذکر کے انعقاد پر خوشی اور فخر کا اظہار فرماتے ہیں جیساکہ متعدد احادیث طیبہ سے ثابت ہے۔ یہاں اس سلسلے میں چند نمایاں احادیث مقدسہ پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے نقل کرتے ہیں کہ:

إنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ عَلى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحابِهِ فَقالَ: «ما أَجْلَسَكُمْ؟» قالُوا: جَلَسْنا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهُ عَلى ما هَدَانا لِلإسْلامِ، وَمَنَّ بِهِ عَلَيْنا. قالَ: «آللهِ، ما أَجْلَسَكُمْ إلَّا ذاكَ؟»، قالُوا: آللهِ ما أَجْلَسَنا إلَّا ذاكَ. قالَ: «أَما إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ، وَلٰكِنَّهُ أَتاني جِبْرِيلُ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللهَ يُباهِي بِكُمُ الْمَلائِكَةَ».

(مسلم: باب فضل الذکر، ابی یعلی، حدیث ۷۳۵۰)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنے صحابہؓ کے ایک حلقے میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے عرض

کیا: ہم اللہ جل شانہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اور اس کی حمد و ثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں ایمان و اسلام کی ہدایت سے نوازا اور ہم پر بڑا احسان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم ہمیں اس کے سوا کسی اور چیز نے نہیں بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تم پر تہمت رکھتے ہوئے قسم نہیں لی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جبریل امین علیہ السلام ابھی میرے پاس آئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی نسبت ملائکہ پر فخر کر رہا ہے۔

دیکھیے! اس حدیث پاک سے اہل ذکر اور مجالس ذکر کی کس قدر فضیلت ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ان پر فخر و مسرت کا اظہار فرما رہا ہے۔ اللہ کو یاد کرنے والوں اور اس کے ذکر کی مجالس برپا کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت و سعادت ہوگی کہ خود خالقِ کائنات اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ فخر و مسرت کے ساتھ فرماتے، پھر کس قدر افسوس کے لائق ہیں وہ لوگ جو اس فضیلت سے محروم رہیں۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ ، وَذَکَرَهُمُ اللهُ فِیْمَنْ عِنْدَهُ

(مسلم، باب فضل الذکر، ابوداؤد، باب الوتر، مسند احمد ج ۲ ص۲۲)

یعنی جب بھی اور جہاں بھی کوئی گروہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھتا ہے تو

فرشتے ان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے، سکون وطمانیت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کی مجلس میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

اس حدیث پاک سے صراحتہً معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کی مجالس میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنے والے چار خصوصی نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسرے خدا تعالیٰ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کے دلوں پر سکون واطمینان نازل ہوتا ہے۔ اہل ذکر کو یادالٰہی کے دوران جو نورانیت، حضورِ قلب اور ذوق وشوق حاصل ہوتا ہے وہ اسی کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اور چوتھی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں کے حلقے میں ان ذاکر بندوں پر فخر کرتا اور ان کی فضیلت و برتری کا اظہار فرماتا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت فرشتوں نے اپنے لئے پاکیزگی، پرہیز گاری اور تسبیح و تقدیس الٰہی میں مشغولیت کا دعویٰ کیا تھا اور انسانوں کے زمین میں فساد پھیلانے اور خونریزی کرنے کی پیش گوئی کی تھی۔

۳۔ « إِنَّ لِلّٰهِ تعالَى مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْماً يَذْكُرُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ تَنَادَوْا : هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ ، فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيا ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ ـ وَهُوَ أَعْلَمُ ـ : ما يَقُولُ عِبَادِي ؟ (قَالَ) : يَقُولُونَ : يُسَبِّحُونَكَ ، وَيُكَبِّرُونَكَ ، وَيَحْمَدُونَكَ ، وَيُمَجِّدُونَكَ ، فَيَقُولُ : هَلْ رَأَوْنِي ؟

فَيَقُولُونَ : لاَ واللهِ ما رَأوْكَ . فَيَقُولُ : كَيفَ لَوْ رَأوْنِي ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : لَوْ رَأوْكَ كانُوا أشَدَّ لَكَ عِبادَةً ، وأشَدَّ لَكَ تَمْجِيداً ، وأكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحاً . فَيَقُولُ : فَماذَا يَسْألُونَ ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : يَسْألُونَكَ ٱلْجَنَّةَ . (قالَ) : يَقُولُ : وَهَلْ رَأوْها ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : لَا واللهِ يا رَبِّ ، ما رَأوْها . (قالَ) : يَقُولُ : فَكَيْفَ لَوْ رَأوْها ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : لَوْ أنَّهُمْ رَأوْها كانُوا أشَدَّ عَلَيْها حِرْصاً ، وأشَدَّ لَها طَلَباً ، وأعْظَمَ فِيها رَغْبَةً . (قالَ) : فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : يَتَعَوَّذُونَ مِنَ النَّارِ . (قالَ) : فَيَقُولُ : وَهَلْ رَأوْها ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : لاَ وَاللهِ ، ما رَأوْها . فَيَقُولُ : فَكَيْفَ لَوْ رَأوْها ؟ (قالَ) : يَقُولُونَ : لَوْ رَأوْها كانُوا أشَدَّ مِنْها فِراراً ، وأشَدَّ لَها مَخافَةً . (قالَ) : فَيَقُولُ : فَأُشْهِدُكُمْ أنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ . (قالَ) : يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ ٱلْمَلائِكَةِ : فِيهِمْ فُلانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ ، إنَّما جاءَ لِحاجَةٍ . قالَ : هُمُ ٱلْجُلَساءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ » .

(بخاری، مسلم، باب فضل الذکر)

یعنی کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ ذکر الٰہی میں مشغول کسی جماعت کو پالیتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مطلوب کی طرف آجاؤ۔ پھر وہ فرشتے ان لوگوں کو اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک گھیر لیتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ان ذاکرین کو خوب جانتا ہے مگر وہ فرشتوں سے (بطور فخر) پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح و تقدیس اور حمد وثنا بیان کرتے اور بزرگی و عظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ نہیں! تیری ذات کی قسم انہوں نے تجھے کبھی نہیں دیکھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے : اگر وہ میرا دیدار کرلیں، تو ان کی حالت کیا ہو؟ فرشتے کہتے ہیں : اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو اور زیادہ عبادت کریں۔ بے پناہ تسبیح و تقدیس بجالائیں اور بہت ہی زیادہ تیری عظمت و بزرگی کا اظہار کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے پوچھتا ہے۔ وہ بندے مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ وہ کہتے ہیں : یارب! تیری قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اگر وہ جنت دیکھ لیں تو کیا ہو؟ فرشتے جواب دیتے ہیں اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو اس کی طلب وخواہش ان میں اور بڑھ جاتے اور اس کی طرف ان کی رغبت کہیں زیادہ ہو جاتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : پھر خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرتا ہے۔ وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں : وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے : کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں۔ نہیں! ہمارے پروردگار تیری ذات کی قسم! انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر وہ جہنم کو دیکھ لیں تو کیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ اگر وہ جہنم کو دیکھ لیں تو اس سے زیادہ ڈریں اور بہت ہی دور بھاگیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ "میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا"۔ یہ سن کر ایک فرشتہ کہتا ہے۔ ان لوگوں میں فلاں شخص بھی تھا جو ذکر کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ وہ تو اپنے کسی کام کے لئے گزرتے ہوئے ان میں بیٹھ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میرا ذکر کرنے والوں کی مجلس ایسی ہے کہ ان کے ساتھ یونہی بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا"۔

اس حدیث میں اہل ذکر اور مجالس ذکر کی فضیلت نہایت عمدہ طریقے سے بیان ہوئی ہے۔ چونکہ ملائکہ نے تخلیق آدم کے وقت اولادِ آدم پر زمین میں فساد و خونریزی کا الزام لگایا تھا۔ اس لئے رب تعالیٰ اپنے ذاکر بندوں کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود فرشتوں سے اس طرح سوالات پوچھتا ہے تاکہ ان پر اولادِ آدم کی فضیلت اور کمالِ عبدیت ظاہر ہو۔ حدیث کے آخر میں اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے اور ان کی مجالسِ ذکر میں حاضر ہونے کی ترغیب یہ کہہ کر دلائی گئی ہے کہ ان کا ہمنشیں بھی بے نصیب نہیں ہوتا"۔ بنا بریں مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دلوں کو معمور رکھیں اور ان اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں جن کو کثرت ذکر کی بدولت بارگاہ الٰہی میں دوام حضور حاصل ہو چکا ہو۔

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا مِنْ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُرِيدُونَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ، قُومُوا مَغْفُورًا لَكُمْ وَقَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ. (کنز العمال حدیث ۱۸۹۱)

یعنی جو بھی لوگ محض رضائے الٰہی کی خاطر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے جمع ہوں تو آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ تم اس مجلس سے اس حال میں اٹھو گے کہ تم بخش دیئے گئے ہو اور تمہاری برائیاں، نیکیوں سے تبدیل کر دی گئی ہیں۔

۵۔ وعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا غَنِيْمَةُ مَجَالِسِ الذِّكْرِ ؟ قَالَ : « غَنِيمَةُ مَجَالِسِ الذِّكْرِ الْجَنَّةُ »

(مسند احمد ج۲ ص۱۷۷)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ذکر کی مجلسوں کا صلہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت۔

۶۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

« عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ ـ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ ـ رِجَالٌ لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ، وَلاَ شُهَدَاءَ، يُغْشِي بَيَاضُ وُجُوهِهِمْ نَظَرَ النَّاظِرِينَ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ بِمَقْعَدِهِمْ وَقُرْبِهِمْ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ » قيل : يا رسول الله مَنْ هم ؟ قال : « هُمْ جُمَّاعٌ مِنْ نَوَازِعِ الْقَبَائِلِ، يَجْتَمِعُونَ عَلَى ذِكْرِ اللهِ فَيَنْتَقُونَ أَطَايِبَ الْكَلاَمِ كَمَا يَنْتَقِي آكِلُ التَّمْرِ أَطَايِبَهُ »

(کنز العمال حدیث ۱۸۹۳)

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب کچھ مرد ہوں گے جو نہ نبی تھے نہ شہید۔ ان کے چہروں کی چمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیائی ہوں گی۔ انبیاء و

شہداء ان کے مرتبے پر اظہارِ مسرت کرتے ہوں گے۔ عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: مختلف جگہوں اور مختلف اقوام کے لوگ ہوں گے جو صرف ذکرِ الٰہی سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتے رہے۔ پھر جو سنتے اس سے اچھی اچھی باتیں چن لیتے اور پھر ان سے نفع اٹھاتے جس طرح کھجوریں کھانے والا عمدہ کھجوریں چن لیتا ہے۔

اس حدیث شریف میں ان لوگوں کے بلند مرتبہ اور رفعتِ شان کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جو کسی قرابت و رشتہ یا دوسرے کسی تعلق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خاطر دور دور سے آ کر جمع ہوتے اور محافلِ ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔

۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى، وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ، إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶)

یعنی کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے نہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے تو یہ مجلس ان پر باعثِ حسرت ہو گی پھر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس پر انہیں عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فَتَفَرَّقُوْا عَنْ غَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ، إِلَّا كَأَنَّمَا تَفَرَّقُوْا

عَنْ جِيْفَةِ حِمَارٍ، وَكَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ۔

(کنز العمال حدیث ۱۸۱۳)

یعنی کسی مجلس سے جب کوئی گروہ یا جماعت بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کئے اٹھ جاتے تو ان کا حال ایک مردار گدھے کا سا ہوتا ہے اور یہ مجلس روزِ قیامت ان کے لئے سراسر حسرت و افسوس کا باعث ہو گی۔

۹۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

لَيْسَ يَتَحَسَّرُ أَهْلُ الْجَنَّةِ عَلٰى شَيْءٍ إِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهَا ۔ (معجم طبرانی)

یعنی جنتی لوگ دنیا کی کسی چیز کے فوت ہو جانے پر افسوس نہ کریں گے سوائے دنیا کی زندگی کی اس ساعت اور گھڑی کے جو اُن پر اس حال میں گزری کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا تھا۔

۱۰۔ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قَعَدَ مَقْعَداً لَمْ يَذْكُرِ اللهَ فِيْهِ، كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ، وَمَنْ قَامَ مَقَاماً لَمْ يَذْكُرِ اللهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ، وَمَنْ اِضْطَجَعَ مَضْجَعاً لَمْ يَذْكُرِ اللهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ» ۔

(ابو داؤد کتاب الادب)

جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اس کے لئے بڑی حسرت و خسران کا باعث ہو گی۔ اسی طرح جو شخص کسی خواب گاہ میں لیٹا

اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت و شرمساری کا موجب ہو گا۔

ان احادیثِ طیبہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر حالت میں یعنی اٹھتے بیٹھتے، خواب اور بیداری، رنج و خوشی، صحت و بیماری اور ہر وقت یعنی دن رات میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا ازبس ضروری ولازمی امر ہے۔ اس حیاتِ فانی کا جو بھی لمحہ خدا کی یاد کے بغیر گزرے گا وہ قیامت کے دن حسرت وافسوس اور شرمندگی کا موجب ہو گا۔ پس اے اہلِ ایمان! تمہیں چاہیے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہا کرو اور اہل ذکر کی مجلسوں میں بیٹھا کرو۔ ؎

بیاد خدا باش اے دوستاں

تو دائم کنی صحبت ذاکراں

یعنی اے دوستو! ہمہ وقت خدا کی یاد میں مشغول رہا کرو اور ہمیشہ ذکر کرنے والوں کی صحبت اختیار کیا کرو۔

۱۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ: حِلَقُ الذِّكْرِ

(الترمذی باب فضل الذکر)

یعنی جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو کچھ حظ اٹھا لیا کرو۔ لوگوں نے پوچھا کہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

Marfat.com

: ذکر کے حلقے اور مجلسیں ہیں۔

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں جمع ہو کر خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ گویا وہ جنت کے باغوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور جو ذوق وشوق اور حضور وسرور ان کو ذکر کے دوران حاصل ہوتا ہے وہ بہشتی نعمتوں کی لذت اور حلاوت کی مانند ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ کرام رحمھم اللہ نے فرمایا ہے کہ صوفی کو صبح کے وقت مناجات اور مراقبہ میں جو قلبی ذوق اور روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں بہشت کی نعمتوں اور لذتوں کا نمونہ ہے۔ سبحان اللہ! مجالس ذکر اور ذاکر کے فضائل وخصوصیات کا یہ عالم ہے کہ اس جہان میں خدا کو یاد کرتے ہوتے عقبیٰ اور بہشت کی نعمتوں سے ایک گونہ فیضیاب اور لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک حکیم نے کہا خدا تعالیٰ نے دنیا میں ایک جنت بنائی ہے۔ جو کوئی اس میں داخل ہو گیا اس کی دونوں جہاں کی زندگی پاک وصاف ہو گئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ بہشت کون سی ہے اور کہاں واقع ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ بہشت ذکرِ خدا کی مجلس ہے۔

بھلا جس مجلس کی فضیلت اور بڑائی یہ ہو اس سے دور رہنا اور گریز کی راہیں ڈھونڈنا بہت بڑی نادانی اور بدنصیبی کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر ایسی مجالسِ ذکر کا اہتمام کرنے والوں سے بغض وکینہ رکھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناراضگی اور اپنی اخروی زندگی کی بربادی کا سبب نہیں تو اور کیا ہے؟

۱۲۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ مَثَلُ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيْهِ أَوْ تَجِدُ رِيْحَه، وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَيْتَكَ أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْه رِيحًا خَبِيْثَةً. (کنزالعمال، ۲۴۶۷۵)

یعنی اچھے اور برے ہمنشیں کی مثال مشک (کستوری) بیچنے والے اور دھو نکنی (بھٹی) دھو نکنے والے کی سی ہے۔ عطر فروش یا تو کستوری تجھے مفت ہی دے دے گا یا تو اس سے خرید لے گا۔ ورنہ کم از کم اتنا ضرور ہو گا کہ اس کی خوشبو تیرے دل و دماغ کو تازہ کر دے گی۔ اور دھو نکنی دھو نکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا اور اس کا دھواں تجھے تکلیف دے گا۔

پس اے برادر! تو برے لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ اجتناب کر کیونکہ برا ساتھی تجھے تکلیف دے گا۔ تیرا وقت ضائع کرے گا۔ تیری استعداد کا سرمایہ تلف کر دے گا اور تیرے تقویٰ کے لباس کو جلا ڈالے گا۔ اور اگر یہ نہ بھی ہوا تو بے ذوقی، بدحالی اور وقت کی ناخوشی تو لازمی امر ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ: ؎

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

یعنی نیک لوگوں کی صحبت تجھے بھی نیک بنا دے گی اور برے لوگوں کی صحبت تجھے بدکار بنا دے گی۔

۱۳۔ "عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ يَا بُنَيَّ إِذَا رَأَيْتَ قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فَاجْلِسْ مَعَهُمْ فَإِنَّكَ إِنْ تَكُ عَالِمًا يَنْفَعُكَ عِلْمُكَ وَإِنْ تَكُ جَاهِلًا عَلَّمُوْكَ وَلَعَلَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ بِرَحْمَةٍ فَتُصِيْبُكَ مَعَهُمْ وَإِذَا رَأَيْتَ قَوْمًا لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فَلَا تَجْلِسْ مَعَهُمْ فَإِنَّكَ إِنْ تَكُ عَالِمًا لَا يَنْفَعُكَ عِلْمُكَ وَإِنْ تَكُ جَاهِلًا يَزِدْكَ غَيًّا وَلَعَلَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ بِسَخَطٍ فَيُصِيْبُكَ مَعَهُمْ"

شہر بن حوشب سے منقول ہے کہ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوتے فرمایا۔ اے میرے فرزند! جب تو کسی مقام پر لوگوں کو ذکرِ الٰہی میں مشغول دیکھے تو ان کے پاس بیٹھ جانا کیونکہ اگر تو عالم ہو گا تو تیرا علم تجھے نفع پہنچاتے گا اور اگر تو جاہل ہو گا تو وہ لوگ تجھے علم سکھا دیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک ان لوگوں پر رحمت کی نگاہ ڈالے تو ایسی صورت میں رحمتِ الٰہیہ تجھ کو بھی اپنی آغوش میں لے لے گی۔ اور جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوں تو ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اگر تو عالم ہو گا تو تیرا علم تجھے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اگر تو جاہل ہو گا تو غافل لوگوں کی صحبت کے اثر سے تیری جہالت اور گمراہی میں اضافہ ہو گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا غضب نازل کرے تو ان کی صحبتِ بد کی وجہ سے تجھے بھی اس کا اثر پہنچے گا۔

۱۴۔ عَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ

اللہ عزوجل کتب کلمتین وضعھما تحت العرش قبل ان یخلق الخلق ولم یعلم الملائکۃ عن علمھا وانا اعلم بھما قیل یا ابا اسحق وما ھما قال احدھما کتب لو کان رجل یعمل عمل جمیع الصالحین بعد ان تکون صحبتہ مع الفجار فانا الذی اجعل عملہ اثما واحشرہ یوم القیامۃ مع الفجار والاخر لو کان رجل یعمل عمل جمیع الاشرار بعد ان تکون صحبتہ مع الصالحین والابرار ویحبھم فانا الذی اجعل اثامہ حسنات واحشرہ یوم القیامۃ مع الابرار (الحدیث) او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل عرش کے نیچے دو ایسی باتیں لکھ دی ہیں جن کا علم فرشتوں کو بھی نہیں ہے مگر میں ان باتوں سے آگاہ ہوں۔ اس روایت کے ایک راوی حضرت ابو اسحاق سے پوچھا گیا کہ وہ باتیں کون سی ہیں؟ انہوں نے کہا پہلی بات یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے اعمال نہایت عمدہ، پاکیزہ اور اچھے ہوں لیکن اس کی صحبت اور نشست و برخاست فاجر و بدکار لوگوں کے ساتھ ہو تو میرے ہاں اس کے نیک اعمال کا شمار گناہوں میں ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن ایسے آدمی کا حشر فاسقوں اور فاجروں ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی

Marfat.com

آدمی کے اعمال برے اور قبیح ہوں مگر اس کی صحبت نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ ہو اور وہ ان کو دل سے چاہتا ہو تو میرے ہاں اس کے گناہوں کی بجائے نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور روزِ محشر ایسے شخص کو صالحین کے زمرہ میں اٹھاؤں گا۔

اس حدیثِ پاک میں اہل اللہ کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرنے کی بے پناہ فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہی نفوسِ قدسیہ در حقیقت وراثتِ محمدی علی صاحبہ التحیہ کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ جیسا کہ درجِ ذیل روایت سے ظاہر ہے۔

۱۵۔ رُوِیَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ اَنْتُمْ هٰهُنَا وَمِیْرَاثُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقْسَمُ فِی الْمَسْجِدِ فَذَهَبَ النَّاسُ اِلَی الْمَسْجِدِ وَتَرَكُوا السُّوْقَ فَرَجَعُوْا وَقَالُوْا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ مَا رَاَیْنَا مِیْرَاثًا یُقْسَمُ فَقَالَ لَهُمْ مَا رَاَیْتُمْ قَالُوْا رَاَیْنَا قَوْمًا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَیَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَذٰلِكَ مِیْرَاثُ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)

(لترغیب والترهیب، باب فضل الذكر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ایک دفعہ بازار تشریف لے گئے اور لوگوں سے کہنے لگے۔ کہ تم یہاں بیٹھے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ آپ کی یہ بات سن کر مسجد کی طرف لپکے اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس آکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے کہ ہم نے تو کوئی میراث مسجد میں تقسیم ہوتے نہیں دیکھی۔ اس پر انہوں

Marfat.com

نے پوچھا: آپ لوگوں نے وہاں کیا دیکھا؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے وہاں کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے .. اور قرآن کریم پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہی تو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے والے ہی محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث اور سچے جانشین ہیں۔

۱۶۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی آٹھ قسم کے لوگوں میں سے کسی ایک کی صحبت و معیت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر آٹھ چیزوں میں سے کوئی چیز پیدا کر دیتا ہے یا اس کے اندر اضافہ و زیادتی فرما دیتا ہے:

(۱)۔ جو شخص دولت مندوں کی رفاقت اختیار کرے اس کے دل میں دنیا کی محبت اور مال کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ (۲)۔ جو آدمی فقراء کی صحبت اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں شکر و رضا کی صفات پیدا فرما دیتا ہے۔ (۳)۔ جو کوئی بادشاہ کی صحبت اختیار کرے اس کے اندر انانیت، تکبر اور قساوت قلبی ایسے امراض جنم لیتے ہیں۔ (۴)۔ جو شخص عورتوں کے ساتھ میل جول رکھے اس کے نفس میں جہالت اور شہوت بڑھ جاتی ہے۔ (۵)۔ جس کی صحبت بچوں کے ساتھ ہو اس کے اندر کھیل کود کی رغبت پروان چڑھتی ہے۔ (۶)۔ جو آدمی فاسقوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھے اس کے اندر ارتکابِ معاصی اور گناہ کرنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ وہ صراطِ مستقیم کی طرف لوٹنے اور برائی سے توبہ کرنے میں تاخیر کرتا ہے۔ (۷)۔ جو کوئی صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے اندر طاعت و عبادت کا شوق پیدا فرماتا ہے۔ اسے اپنی

محبت سے سرفراز کرتا ہے۔ اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عنایت فرماتا ہے۔ (۸)۔ اور جس شخص کی صحبت علماء ربانی کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ اس کے علم و دانش اور تقویٰ و پرہیز گاری میں اضافہ فرماتا ہے۔ کسی نے خوب کہا۔ ؎

ہمنشینِ مہتراں، مہتر شود
ہمنشینِ کہتراں، کہتر شود

یعنی بڑے اور برگزیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والا سردار بن جاتا ہے۔ اور گرے ہوتے لوگون کے ساتھ بیٹھنے والا خود بھی پست ہو جاتا ہے۔

پس اے طالبانِ سعادت و سالکان جادۂ ہدایت! تم پر لازم ہے کہ اہل اللہ اور ذاکرین و صالحین کی صحبت و ہمنشینی اختیار کرو۔ ان سے محبت کرو اور رابطہ رکھو۔ اللہ والوں کی مجالس سے ہرگز کنارہ نہ کرو۔ کیونکہ اولیاء کی صحبت اور توبہ سے جس قدر فیوض و برکات میسر آتے ہیں۔ خود اپنی کوشش اور مجاہدہ وریاضت سے اس قدر نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ مردانِ خدا کی سیرت واخلاق کے اثر سے تمہارے قلب کا تزکیہ ہو گا اور روح کو بالیدگی ملے گی کیونکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ نیکو کاروں کی صحبت و معیت انسان کو نیک اور پاکباز بنا دیتی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ اصحابِ کہف سے استدلال کرتے ہوتے اس حقیقت کو خوب اجاگر کیا ہے۔ ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی اصحاب کہف کا کتا چند ہی روز نیکو کاروں کے پیچھے چلنے اور صالحین کی صحبت میں رہنے سے پاکیزہ خصلتوں کا حامل بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فصل دوم:

اقسامِ ذکر

مشائخ طریقت کے نزدیک ذکرِ الٰہی کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

ایک اثباتِ مجرد اور دوسری نفی اثبات۔ مختلف سلاسلِ طریقت میں ان ہر دو اذکار کی تلقین جداگانہ طریقوں سے کی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم اپنے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ احمدیہ کے مطابق ان اذکار و اشغال کا طریقہ بیان کریں گے۔

۱۔ ذکر اثبات مجرد:-

ذکر اثبات کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد دونوں ہاتھ باندھ کر قبلہ رخ دوزانو بیٹھے، ہونٹ اور آنکھیں بند کر لے اور زبان تالو سے لگالے تاکہ حرکت نہ کرے۔ پھر قلب کی طرف متوجہ ہو کر اسمِ اعظم "اللہ" کا تصور کرے۔ جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی اسم ذات "اللہ" کا خیال کرے اور جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی یہی ذکر کرے۔ دوران ذکر اپنے دل کی طرف خیال جمائے رکھے کہ وقوفِ قلبی شرط ہے۔ اس طرح سالک اپنے دل سے جملہ وساوسِ دنیاوی کو دور کر کے دم (سانس) کے ساتھ اسم ذات کی ضرب لطیفۂ قلب پر لگاتا جائے۔ ہمارے مشائخِ کرام سالک کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ دورانِ ذکر اپنے آپ کو مردہ خیال کرے اور قبر کا تصور ذہن میں رکھے۔ موت کے بعد آدمی کا منہ اور آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ زبان اور دیگر تمام اعضاء اپنی جگہ ساکن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے مشائخِ طریقت سالک کے پورے وجود کو گناہوں کے

راستے سے روک دیتے ہیں اور اسے ہدایت فرماتے ہیں کہ اپنی آنکھوں سے بری نظر نہ دیکھو، زبان سے بد کلامی اور ہاتھوں سے کوئی برا کام نہ کرو۔ اپنے پچھلے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور توبہ کرو۔ پیر طریقت مرید کو بیعت کرتے وقت توبہ کراتا ہے۔ اگر آدمی سچے دل سے توبہ کرلے تو اس کے سابقہ گناہوں میں سے کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ گویا وہ بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے خلوصِ نیت ضروری ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ

(ابن ماجہ حدیث: ۴۲۵۰، کنز العمال حدیث: ۱۰۱۴۹
مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۰، درمنثور ج ۱ ص ۲۶۱)

یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

ذکر پاس انفاس

سالک کو چاہیے کے بقدر فرصت ذِکر اسمِ ذات کثرت سے جاری رکھے۔ فارغ اوقات میں ہر وقت چلتے، پھرتے، بیٹھے ذکر کرتا رہے۔ اپنی عادت یہ بنائے کہ خواہ باوضو ہو یا بے وضو، مگر کوئی دم اور کوئی سانس بغیر ذکر اسم پاک "اللہ" کے خالی نہ جائے کیونکہ بزرگانِ طریقت فرماتے ہیں: "جو دم غافل سو دم کافر"۔ اور اس ذکر کو مشائخِ کرام ذکر پاس انفاس کا نام دیتے ہیں۔ یعنی سانس کی حفاظت اور نگرانی کے ساتھ ذکر کرنا۔ جب ہر سانس کی آمدورفت کے ساتھ ذِکر اسم ذات "اللہ" کی عادت پختہ ہو جائے

گی تو پھر سالک کا دل صاف اور مزکیٰ ہو کر ذاکر بن جائیگا اور اس کا شمار ہمہ وقت ذاکرینِ الٰہی میں ہونے لگے گا۔ رفتہ رفتہ اس کا شغل اور وظیفہ حیات ہی ذکر الٰہی بن جاتے گا اور اس کے دین و دنیا کے تمام کام سنور جائیں گے۔ بقول شاعر ؎

اگر تو پاس داری پاسِ انفاس
بہ سلطانی رسانیدت ازیں پاس

یعنی اگر تم پاس انفاس کے ذکر کی عادت قائم رکھو تو یہ ذکر شریف تمہیں بادشاہی تک پہنچادے گا۔

بنا۔ بریں سالکِ راہِ طریقت پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکر اسم ذات میں مصروف رہے تاکہ منازلِ سلوک اور مراتبِ روحانیت جلد از جلد طے کر سکے۔ تاہم مبتدی ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کا جتنا بھی اہتمام کرے پھر بھی

اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ ۔

کے مصداق غفلت کا اندیشہ رہتا ہے اور فی الواقع غفلت ہو جاتی ہے۔ اس لئے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندی قدس سرہ العزیز نے ذکر کی تعداد مقرر فرمادی ہے کہ ایک دن رات میں انسان چوبیس ہزار مرتبہ تعداد پوری کر لیا کرے تو اس طرح گویا وہ ہر سانس کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کا اہتمام کر لے گا اور اپنے شیخِ طریقت کی روحانی توجہ اور فیض سے انشاء اللہ جلد واصل ہو جاتے گا۔

سالک کو چاہیے کہ ہر روز پابندی کے ساتھ باقاعدہ ذکر کا اہتمام کرے۔ ذکر میں کامل انہماک اور فکری یکسوئی کی خاطر ہمارے پیر و مرشد قبلہ۔ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے

Marfat.com

تجویز کردہ ان الفاظ میں نیت کرے۔

"میں متوجہ ہوں قلب کی طرف اور قلب متوجہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف۔
اللہ تعالیٰ سے فیض میرے لطیفۂ قلب میں آ رہا ہے اور میرا لطیفۂ قلب
محبت کے ساتھ اللہ اللہ کر رہا ہے"۔

دورانِ ذکر بارگاہ الٰہی میں ہمہ تن متوجہ رہے اور ذکر کی ہر تسبیح کے بعد اس طرح
مناجات کرے:

"تو ہی مقصود میرا اور رضا تیری اے خدا۔ اپنا عشق اور محبت اپنی مہربانی
سے میرے دل میں ڈال"۔

۲۔ ذکر نفی اثبات:۔

سالک کو چاہیئے کہ رات کو صلوٰۃ عشاء کے بعد اور سحر کے وقت نماز تہجد کے بعد
نفی اثبات کا ذکر اپنا روزانہ کا معمول بنائے کیونکہ یہ دونوں وقت ذکر الٰہی کے لئے بہت
موزوں ہیں۔ ان اوقات میں دنیاوی خیالات کا ہجوم نہیں ہوتا اور انسان یکسو ہو کر اپنا
کام بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ پس ذکر کے لئے سالک دو زانو قبلہ رو ہو کر بیٹھے، اپنی
آنکھیں اور ہونٹ بند کر کے زبان تالو سے لگالے۔ دل سے تمام دنیاوی خیالات اور جملہ
وساوس نفس کو دور کر کے اس طرح ذکر شروع کرے کہ دم کو زیر ناف روکے اور "لا"
کو ناف کے نیچے سے اٹھا کر اپنے سر کی طرف کھینچتے ہوئے لطیفۂ نفس پر پہنچے اور معنی
(یعنی کوئی معبود نہیں) کا خیال رکھے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ تصور میں ہر چیز کی نفی

Marfat.com
Marfat.com

کرے اور یہ خیال کرے کہ زمین ہے نہ آسمان۔ نہ ان دونوں کے درمیان کچھ ہے۔ یوں دنیا ومافیھا بلکہ اپنے جسم کی بھی نفی کر دے اور اپنے وجود کو شیخ کا وجود تصور کرے۔ پھر "الٰہ" کو اپنے کتف راست یعنی دائیں کندھے پر لے جائے اور "الا اللہ" کو دائیں مونڈھے سے لے کر لطیفہ۔ روح سے گزار کر اس کی ضرب اپنے قلب پر لگائے اور اس معنی کا خیال کرے کہ معبود تنہا ایک اللہ ہے۔ ذکر نفی اثبات میں وہی تصور اور وہی طریقہ اختیار کرے جس کی تلقین اس کے پیرومرشد نے کی ہو۔ کیونکہ فیض نگاہِ مرشد پر موقوف ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح اپنے شیخ کا فرمان ہو اسی طرح عمل کرنے سے طالب کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے پیر طریقت شیخ کامل حضور قبلہ۔ عالم رحمۃ اللہ نفی واثبات میں بھی شمار کی تلقین کرتے ہوئے پانچ صد (۵۰۰) بار نفی فرماتے ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ اثنائے ذکر وقوف عددی کا خیال رکھے یعنی طاق عدد پر سانس چھوڑے، جفت پر نہ چھوڑے۔ چنانچہ تین بار، پانچ بار یا سات بار بلکہ رفتہ رفتہ ۲۱ بار تک پہنچا دے۔ اسی طرح نفی واثبات کے ذکر کی مشق جاری رکھے۔ انشاء اللہ پیرِ کامل کی توجہ اور مسلسل ریاضت ومجاہدہ سے کچھ عرصہ میں کامیاب ہو جائے گا اور ذکر نفی واثبات اپنا اثر دکھائے گا۔ یہ ذکر سالک کے لئے بہت مؤثر ہے۔ جب تک یہ ذکر نہیں کرے گا کامیاب نہ ہو گا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

تا بہ جاروب "لا" نہ روبی راہ

نرسی در مقام "الا اللہ"

یعنی جب تک "لا" کے جھاڑو سے راستہ صاف نہیں کرو گے۔ "الا اللہ" کے

مقام تک نہیں پہنچ سکو گے۔

یاد رہے کہ نفی واثبات کے ذکر سے زیادہ طالبِ مولیٰ کے لئے اور کوئی ذکر مفید نہیں ہے۔ اس سے طالب کے دل میں محبت واطاعتِ الٰہی کا شوق پروان چڑھتا ہے۔ شہوت وحرص کم ہو جاتی ہے اور روح کا تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتا ہے۔ پس چاہیے کہ مبتدی ہر وقت چلتے پھرتے ہر حال میں نفی کا خیال رکھے کیونکہ نفی یعنی "لا" سالک کے دل میں بسط کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور اسے ایک عجیب لذت وحلاوت حاصل ہوتی ہے۔

اس لئے حبس دم کے بغیر بھی ہر وقت نفی کا ذکر بہت مفید اور مؤثر ہے۔

اگر ایں ذکر را جاوید داری

رسی مطلب بمقصودے کہ داری

یعنی اگر نفی اثبات کا ذکر جاری رکھو گے تو اپنے مطلوب و مقصود کو جلد پالو گے۔

۳۔ ذکر خفی:۔

بنیادی طور پر ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذکرِ لسانی اور دوسرا ذکرِ قلبی۔ یوں تو ذکرِ لسانی بھی نہایت اہم اور مفید عمل ہے لیکن ذکر قلبی اس سے بہت افضل اور قوی الاثر ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ

اَفْضَلُ الذِّکْرِ خَفِیٌّ یعنی: ذکر خفی افضل ہے

ایک حدیث پاک میں بھی ذکرِ قلبی کو ذکر لسانی سے ستر درجہ افضل ٹھہرایا گیا ہے۔ دراصل ذکرِ لسانی ایک ایسا عمل ہے جو انسان ہر وقت جاری نہیں رکھ سکتا۔ نیند اور

مصروفیت کے عالم میں اس سے معذور ہوتا ہے۔ اسی طرح ناپاک جگہ یا حالت میں بھی زبان سے ذکر کرنا مکروہ ہے۔ اس کے برعکس ذکرِ خفی قلب کا عمل ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ذکر اللہ تعالیٰ سے بندے کے روحانی تعلق کا نام ہے اور یہ تعلق سکون و حرکت، نیند و بیداری اور فراغت و مصروفیت ہر حال میں قائم رہتا ہے۔ خدائے قدوس کے فرمان:

ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ
وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ
(آل عمران : ۱۹۱)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے
کی تعمیل اسی قلبی ذکر کی صورت میں ہو سکتی ہے اور یہی وہ قلب سلیم ہے جو آخرت میں بندے کی نجات کا وسیلہ بنے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء : ۹۸)

یعنی وہ آدمی نجات پائے گا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلب سلیم لیکر حاضر ہو گا۔

ذکر لسانی کے مقابلے میں ذکر خفی کی اہمیت ایک اور وجہ سے بھی ہے اور وہ یہ کہ دل کا ذکر ایک باطنی عمل ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان گہرے راز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایسا ذکر ہے جس سے کراماً کاتبین بھی آگاہ نہیں ہوتے۔ قیامت کے روز جب فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے انسانوں کے اعمال نامے پیش کریں گے تو حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ان لوگوں کا کوئی عمل ایسا بھی ہے جو تم نے لکھا نہ ہو۔ فرشتے عرض

کریں گے۔ یا اللہ جو بھی عمل ان لوگوں کا ہمارے علم میں آیا وہ ہم نے لکھ لیا تھا اور کوئی بھی ظاہری عمل ہم نے بغیر لکھے نہیں چھوڑا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ان کی ایک نیکی میرے پاس محفوظ ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔ اس کا بدلہ میں دوں گا اور وہ نیکی ہے "ذکر خفی"۔

حضرت عبداللہ سبری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بارگاہ رسالت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ! میں نوافل ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کا ثواب بہت ہو اور وہ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حالت میں اختیار کیا جا سکتا ہو تاکہ میں اپنا لوں اور وہی عمل میرے لئے کافی ہو جائے۔ اس پر نبی کریم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطْباً مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ"

یعنی ہمیشہ اپنی زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھو

غور کریں تو اس حدیث پاک میں ذکر خفی کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ "زبان" سے مراد دل کی زبان ہے کیونکہ منہ کی ظاہری زبان ہمیشہ اور ہر وقت نہیں چل سکتی۔ البتہ دل کی زبان ہر وقت، ہر حالت اور ہر جگہ یکساں طور پر مشغولِ ذکر رہ سکتی ہے۔ اور دل کا ذکر ایک ایسا عمل ہے جس کے ہوتے ہوئے فرائض و واجبات اور سننِ مؤکدہ کے علاوہ کسی دوسرے نفلی عمل کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذا سالک کیلئے ضروری ہے کہ ذکر اللہ ہر وقت جاری رکھے اور ذکر بھی خفی ہو جس کو ظاہری کان نہیں سن سکتے۔ یہ تو ذاکر کے دل میں چھپا ہوا ایک خزانہ ہے جو آخرت میں اس کے کام آئے گا۔ بقول

شاعرے

ذکر گنج است گنج پنہاں بہ

در دریں گنج است ذکر پنہاں بہ

یعنی ذکر ایک خزانہ ہے اور خزانہ پوشیدہ ہی بہتر ہوتا ہے۔ ذکر الٰہی کے اس

خزانے میں موتی پنہاں ہیں۔ لہٰذا ان کی حفاظت کیلئے ذکر خفی ہی بہتر ہے۔

ے بزباں گنگ شو بلب خاموش

بے خبر باشند زیں ذکر گوش

یعنی زبان گونگی اور ہونٹ خاموش رہیں اور کان بھی اس ذکرِ قلبی سے

بے خبر ہوں تو اچھا ہے۔

ذکر قلبی اس اعتبار سے بھی افضل ہے کہ یہ اکثر بیشتر ذکر اسم ذات ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسم اعظم "اللہ" کا ذکر باقی تمام اذکار پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس لئے ذکرِ اسم ذات میں مشغول رہنے والے آدمی کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ایک بار اسم پاک اللہ کا ذکر زبان سے کیا جائے تو ایک ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر ایک بار دل سے اسم ذات اللہ کا ذکر کیا جائے تو ستر دفعہ قرآن حکیم پڑھنے کا اجر ملتا ہے۔ ذکر خفی اپنی باطنی تاثیر کے لحاظ سے بھی نہایت قوی اور بہت منفرد ہے۔ یہ ریا و سمع اور تکلف و تصنع کی آمیزش سے بالکل محفوظ ہوتا ہے اور انسان کے قلب و روح کو بہت جلد مصفیٰ اور مزکی بنا دیتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ لوہار کی دکان میں لوہا اور کوئلے دونوں سیاہ ہی ہوتے ہیں لیکن جب لوہار ان چیزوں کو بھٹی

کے اندر ڈال کر کوئلوں کے اوپر ایک چھوٹی سی انگاری آگ کی رکھ دیتا ہے اور پھر دھونکنی سے اس کو پھونکتا ہے تو کوئلے اور لوہا آگ کے انگاروں میں بدل جاتے ہیں۔ ان کی تمام سیاہی دور ہو جاتی ہے اور وہ دونوں سفید ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ذکر خفی اور پاس انفاس کی حرارت سے مرشد کی نگاہ و توجہ کی برکت سے دل کی سیاہی دور ہو جاتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ یہاں دل کی بھٹی میں جو چنگاری کام کرتی ہے وہ عشق الٰہی کی چنگاری ہے۔ یہ مرشدِ کامل کے فیض نگاہ سے میسر آتی ہے۔

لہذا تمام طالبان مولیٰ کو چاہیے کہ ذکر خفی کی کثرت سے اپنے دلوں کو روشن کریں کیونکہ اس ذکر کی تاثیر بہت قوی، نفع بہت زیادہ اور درجہ بہت بلند ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر خفی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (اعراف: ۲۰۵)

یعنی اور اپنے رب کو دل میں یاد کیا کرو۔ زاری و ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور غافلوں میں نہ ہونا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث پاک نقل کی ہے کہ "جس مومن کا دل ذکر خفی سے آباد ہو وہ زندہ اور جس کا دل ذکر خفی سے غافل ہو وہ مردہ ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر خفی دل کو زندہ و بیدار رکھنے والا ہے۔ لہذا جو شخص اپنے دل کی زندگی چاہتا ہو اسے لازم ہے کہ ذکر قلبی اپنا معمول بنا لے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

؎ چرا در زندگی اے دل نہ کوشی
چرا ایں شربتِ شیریں نہ نوشی

چو دل زندہ شود ہر گز نہ میرد
چو دل بیدار شد خوابش نہ گیرد

یعنی اے دل تو اپنی زندگی کیلئے سعی کیوں نہیں کرتا اور ذکرِ الٰہی کا میٹھا شربت کیوں نہیں پیتا۔ سچ یہ ہے کہ دل جب ایک مرتبہ زندہ ہو جاتے تو پھر دوبارہ نہیں مرتا اور جب دل ایک بار بیدار ہو جاتے تو پھر دوبارہ نہیں سوتا۔

☆ ☆ ☆

فصل سوم:

لطائفِ سبعہ

یہ بات ہر شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ انسان کا وجود بسیط نہیں مرکب ہے۔ یوں تو اس مرکب کے مادی اور غیر مادی اجزا بہت سے ہیں لیکن روحانی اصلاح و تربیت کے نظام میں جن اجزا پر توجہ دی جاتی ہے وہ لطائف کہلاتے ہیں۔ صوفیاء محققین نے کشف و مشاہدہ اور تحقیق کی رو سے بتایا ہے کہ انسان بنیادی طور پر دس لطیفوں سے مرکب ہے، پانچ کا تعلق عالم خلق سے ہے اور پانچ کا عالم امر سے۔ عالم خلق سے عناصر اربعہ آگ، ہوا، پانی اور خاک کے علاوہ لطیفۂ نفس ہے اور عالم امر کے لطائف قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو وجود کی نعمت سے سرفراز فرمایا تو عالم امر کے لطائف کو اس کے جسم میں چند مقامات سے وابستہ کر دیا۔ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر پہلو کی طرف مائل ہے۔ روح دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر ہے۔ سر قلب کے برابر دو انگشت کے فاصلے پر سینے کی طرف ہے۔ خفی روح کے برابر دو انگشت کے فاصلے پر اور لطیفۂ اخفی کا مقام عین سینے کے درمیان ہے۔ جسم انسانی میں یہی وہ مقامات ہیں جو فیوض و برکات اور انوار الٰہی سے لبریز ہیں۔ ذیل میں مقامات لطائف کا سادہ نقشہ دیا جاتا ہے۔
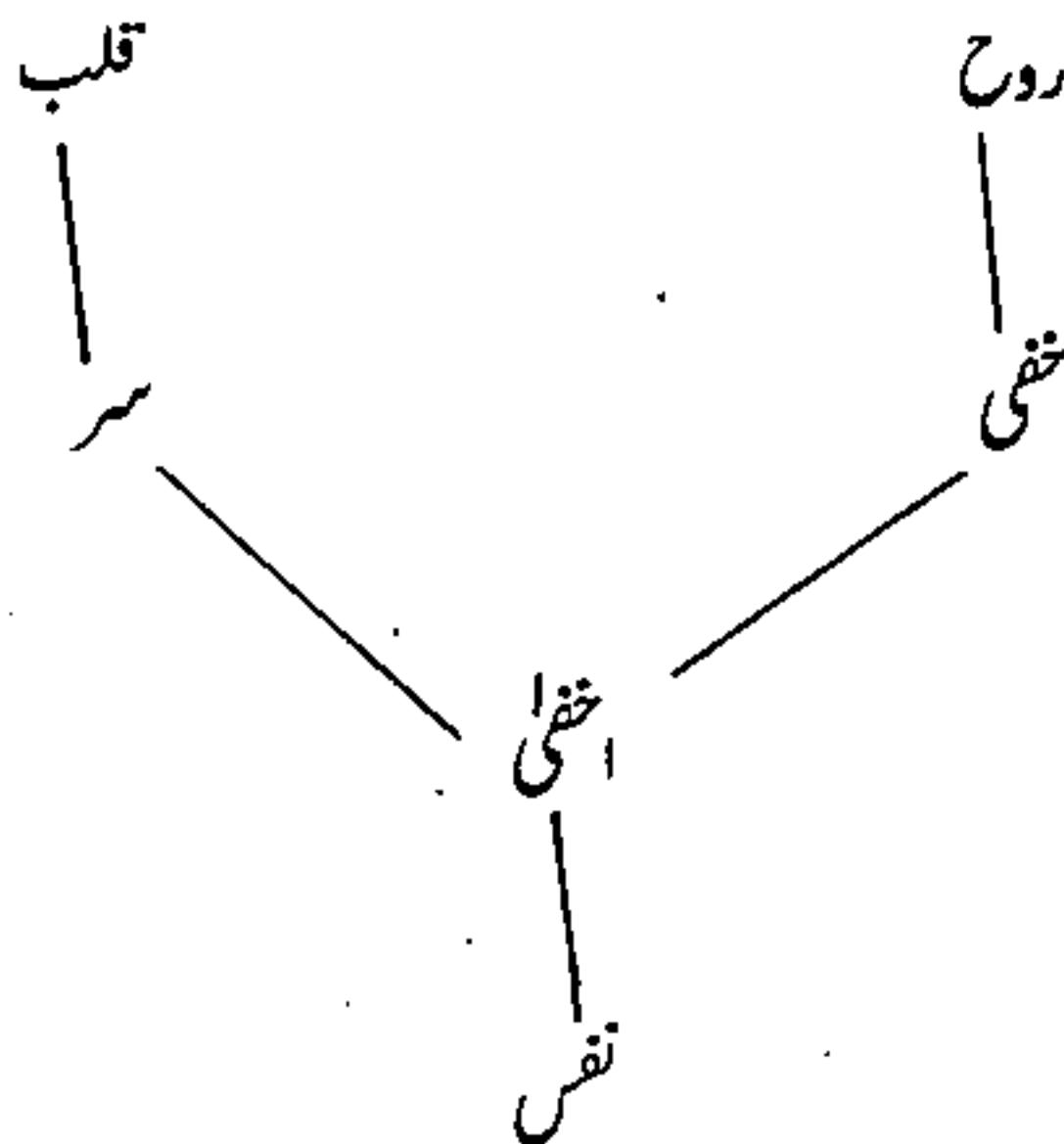
اگرچہ عالم امر کے لطائف پانچ ہیں لیکن مختلف سلاسلِ طریقت میں لطیفۂ نفس اور لطیفۂ قلب کو بھی ان میں شامل کر کے چھ یا سات لطائف کی تہذیب واصلاح پر توجہ دی جاتی ہے۔ ہمارے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا شغل سات لطائف پر محیط ہے:

۱۔ **لطیفۂ قلب:۔**

ہمارے مشائخِ طریقت مراقبہ کی ابتدا لطیفۂ قلب سے کراتے ہیں کیونکہ یہی پہلا اور سب سے قوی لطیفہ ہے۔ اس کا تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتے تو دوسرے لطائف جلد طے ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان لطائف میں باہم ربط واتصال پایا جاتا ہے اور یہ ایک دوسرے کے مقابل رکھے ہوتے آئینہ کی مانند ہیں۔ اس لئے لطیفۂ قلب میں ذکر جاری ہونے سے بقیہ لطائف میں بھی آثار وافعال سرایت کر جاتے ہیں۔ لطیفۂ قلب کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت نیچے قدرے مائل بہ سینہ ہے اور اس کے نور کا رنگ زرد ہے۔ یہ لطیفہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا فیض وہیں سے پہنچتا ہے اور جس شخص کا لطیفۂ قلب جاری ہو، اسے "آدمی المشرب" کہتے ہیں۔

لطیفۂ قلب کے شغل یعنی ذکر و مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سالک سب سے پہلے اپنے دل کو ماسوی اللہ کے خیال سے پاک کرے۔ پھر مؤدب ہو کر خشوع و خضوع کے ساتھ باوضو بیٹھے۔ دل میں رحمتِ خداوندی کی طلب رکھ کر آنکھیں بند کر کے اور زبان تالو سے لگا کر اسم اعظم "اللہ" کا ذکر کرے۔ سالک کو چاہیئے کہ ہر طرف سے یکسو ہو کر پوری توجہ اور مسلسل کوشش سے اپنے قلب پر ذکرِ اللہ کی ضرب لگاتا رہے اور اس مضغہ۔ صنوبری کو خوب حرارت پہنچاتے تاکہ اس میں جوش پیدا ہو اور ذکر کی لذت و حلاوت میسر آتے۔ جب ذاکر شغلِ قلب میں مصروف ہو تو دل میں اپنے شیخ کا تصور جاگزیں رکھے تاکہ مرشد کی روحانی توجہ سے فیض حاصل ہو اور عنایت خداوندی سے اس کا دل حرکت میں آ جائے۔ لطیفہ قلب کی زبان انسان کی ظاہری زبان سے بہت زیادہ تیز ہے۔ اس لئے جب لطیفۂ قلب جاری ہو گا تو دل سے اسم اعظم "اللہ" کا ذکر صاف محسوس ہو گا اور ایسا کیف و سرور حاصل ہو گا جو سالک کے باطن میں اسرار و رموز کا ایک جہان اور شور و مستی کا ایک طوفان برپا کر دے گا۔ ؎

بر لبش قفل است در دل راز ہا

لب خموش و دل پر از آواز ہا

یعنی ذاکر کے سینہ پر تو قفل پڑا ہے لیکن اس کے دل میں اسرار و رموز کے خزانے جمع ہیں۔ اس کے ہونٹ تو بظاہر خاموش ہیں مگر اس کا باطن ذکر کی آوازوں سے بھرا ہوا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قلب جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ پستان بظاہر ہلنے لگ جائیں بلکہ اس کا مقصد متوجہ الی اللہ ہونا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر بمعنی یاد است نہ بمعنی تحرک

یعنی ذکر کا معنی یادِ الٰہی ہے جسم کے کسی حصے کا ہلنا نہیں۔

بنا۔ بریں قلب کے ذاکر ہونے کی بہترین نشانی یہ ہے کہ سالک مکمل طور پر متوکل علی اللہ ہو جائے۔ اس کے دل سے ہر قسم کی نفسانی خواہشات، حرص و طمع اور دنیاوی خیالات بالکل دور ہو جائیں کیونکہ جس دل میں اللہ کا ذکر جاگزیں ہو جائے اس میں حرص وہوس کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر جب ذکر قلبی حاصل ہو جائے تو سالک کو چاہیے کہ شب وروز اپنے مقصد کو پیش نظر رکھے۔ لوگوں سے اختلاط اور گفتگو کم کرے۔ اپنا کلام صرف ضرورت کی حد تک رکھے تاکہ مقصد میں خلل واقع نہ ہو۔ ؎

سخن باکس مکن الاّ ضرورت

نیفتد تا خلل اندر حضورت

یعنی بغیر ضرورت کے کسی سے گفتگو نہ کرو تاکہ تمہارے حضور قلب میں خلل واقع نہ ہو۔

۲۔ لطیفۂ روح:۔

لطیفۂ قلب کے بعد دوسرا لطیفہ روح کا ہے۔ اس کا مقام دائیں پستان سے دو انگشت نیچے کسی قدر سینہ کی طرف مائل لطیفۂ قلب کے عین مقابل ہے۔ لطیفۂ روح کا نور سرخ رنگ کا ہے اور اس کا فیض حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس لطیفے کا حامل "ابراہیمی المشرب" کہلاتا ہے۔

لطیفۂ روح کا شغل یہ ہے کہ سالک حبس دم، خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ

Marfat.com

کے ساتھ اسم ذات اللہ کا تصور اس لطیفہ کے مقام پر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مرشد کی توجہ سے چند روز کی مشق و ریاضت لطیفہ۔ روح کو بھی ذکر اللہ سے آباد کر دے گی اور یہاں بھی سالک کو لذت و سرور کی انمول دولت میسر آتی گی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"لطیفۂ روح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے فنا و بقا سے مشرف ہوتا ہے۔ اس سیر میں سالک اپنی صفات کو اپنے سے مسلوب پاتا ہے اور انہیں حق تعالیٰ سے منسوب کرتا ہے۔ اس حالت کے حصول کو تجلیٔ صفات سے تعبیر کرتے ہیں"۔ (مقامات مظہری، ص۵۲۶)

۳۔ لطیفۂ سِر:۔

لطیفۂ سر لطیفۂ روح سے زیادہ لطیف ہے اور اس کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت اوپر قدرے مائل بھی سینہ بتایا گیا ہے۔ لطیفہ سِر کا نور سفید رنگ کا اور اس کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس لطیفے کا سالک "موسوی المشرب" کہلاتا ہے اور اسے شیونات ذاتیہ کی تجلیات سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے۔

سالک کو چاہیے کہ لطیفۂ روح کے بعد لطیفۂ سِر کے شغل میں منہمک ہو جائے۔ اس مقام پر بھی اسم اعظم "اللہ" کا تصور کرے۔ چند دنوں میں مرشد کی روحانی توجہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں بھی اسم ذات کی حرکت پیدا ہو گی اور خوب لطف و سرور کی نعمت ارزانی ہو گی۔

۴۔ لطیفۂ خفی:۔

لطیفۂ خفی لطیفہ سِر سے بھی زیادہ لطیف اور اعلیٰ ہے۔ بعض مشائخ اسے سِرّ اسریٰ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا مقام داتیں پستان سے دو انگشت اوپر قدرے مائل بہ سینہ لطیفۂ سِر کے عین مقابل بتایا گیا ہے۔ اس لطیفہ کا نور سیاہ رنگ کا اور فیض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ "عیسوی المشرب" سالک اس لطیفہ کے ذریعے بارگاہ الٰہی میں پہنچتا ہے۔

سالک لطیفۂ سِر کے بعد لطیفۂ خفی کا شغل بھی اسی طریقے سے کرے۔ پورے خشوع و خضوع سے مؤدب بیٹھ کر حبس دم کے ساتھ لطیفۂ خفی کے مقام پر اسم ذات اللہ کا تصور کرے۔ مرشد کی توجہ اور عنایت الٰہی کے طفیل چند روز کی مشق و ریاضت سے لطیفۂ خفی بھی ذکر اسم ذات سے معمور ہو جائے گا اور سالک توحید الٰہی کی حلاوت اور ذکر کے انوار سے فیض یاب ہو گا۔

۵۔ لطیفۂ اخفیٰ:۔

لطیفۂ خفی کے بعد اخفیٰ کا شغل ہوتا ہے جو کہ سب سے زیادہ لطیف، قوی اور اعلیٰ لطیفہ ہے۔ اس کا مقام سینہ کے عین وسط میں مرکز محرابی کے اندر متعین کیا گیا ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا نور سبز رنگ کا اور اس کی فنا مرتبہ برزخیہ میں مرتبہ تنزیہ اور مرتبہ احدیت مجردہ میں ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا فیض اور اس کی ولایت حضور خاتم النبیین افضل المرسلین

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے اور اس لطیفہ کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں واصل ہونے والا سالک "محمدی المشرب" کہلاتا ہے۔

سالک کو چاہیے کہ لطیفہ ۔ اخفیٰ کا شغل بھی پوری توجہ، انہماک اور خشوع و خضوع سے کرے۔ اس کے مقام پر بھی اسم اعظم اللہ کا خیال اور تصور حبس دم کے ساتھ جاری رکھے تاکہ جمع المعاینہ کا مرتبہ اور کمالِ لذت حاصل ہو۔ نسبت محمدی کی برکت اور مرشد کی توجہ سے اللہ کریم چند دنوں میں لطیفۂ اخفیٰ کو بھی ذکر اسم ذات کے انوار سے لبریز کر دے گا۔

۶۔ لطیفۂ نفس:۔

لطیفۂ اخفیٰ کے بعد لطیفۂ نفس کا شغل ہوتا ہے۔ بعض مشائخ اس کو لطیفہ قدسیہ بھی کہتے ہیں۔ لطیفۂ نفس کا مقام چہرہ کے اوپر پیشانی میں دو ابروؤں کے درمیان مقرر کیا گیا ہے اور اس کا رنگ تصفیہ و تزکیہ کے بعد بے کیف معلوم ہوتا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ لطیفۂ نفس کے مقام پر بھی شغل اسم ذات کو اپنا وظیفہ بنا لے۔ انشاء اللہ اسم اعظم کے تصور، شیخ کی توجہ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ لطیفہ بھی حرکت میں آئے گا اور یہاں بھی اسم ذات کا ذکر محسوس ہو گا۔

۷۔ لطیفۂ قالب:۔

اس کو لطیفۂ سید الاذکار بھی کہتے ہیں اور اس کا مقام پورے انسانی وجود پر حاوی

Marfat.com
Marfat.com

ہے۔ لہذا سالک کو چاہیے کہ سر سے لے کر پاؤں تک جملہ اعضاء جسم اور تمام رگوں، پٹھوں میں اسم ذات "اللہ" کا تصور کرے۔ انشاء اللہ پیر کامل کی توجہ اور عنایت الٰہی سے یہ لطیفہ بھی حرکت میں آئے گا۔

طالب جب سلوک کے ان تمام لطائف کی تکمیل کر لے تو اس کے جملہ اعضاء وجود اور جسم کی تمام رگوں اور بالوں میں ذکر اسم ذات سما جاتا ہے۔ پھر ذاکر جس طرف نگاہ ڈالے اسے ذکر کی آواز آتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی چیز کا تصور کرے۔ تو اس چیز سے بھی ذکر کی آواز آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ دراصل تکمیل سلوک کے بعد طالب کا دل زندہ اور روح بیدار ہو جاتی ہے۔ اس کا نفس لذات دنیوی سے کنارہ کش اور حرص وہوس سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی توجہ جہانِ فانی سے دار بقاء کی طرف منعطف ہو جاتی ہے۔ گناہ سے نفرت اور نیکی کی رغبت اس کی پہچان بن جاتی ہے اور بالآخر وہ ملکوتی درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ جب کوئی بندہ ولایت کے اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نگاہ کیمیا اثر، اس کی توجہ فیض رساں اور اس کی صحبت حیات افزا بن جاتی ہے۔ وہ جس طرف نگاہ ڈالتا ہے زندگی رقص کرنے لگتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

آنکہ اسرافیل وقت اند اولیاء

مردہ را زایشاں حیات است ونما

یعنی اولیاء اللہ اپنے وقت کے اسرافیل ہوا کرتے ہیں۔ مردوں کو ان سے زندگی اور ترقی ملا کرتی ہے۔

جان ہائے مردہ اندر گور تن

بر جہد آواز شاں اندر کفن

یعنی اولیاء اللہ کی آواز سے مردہ اجسام میں کفن کے اندر جان پڑ جاتی ہے۔

گویا ایں آوازِ خدا است

زندہ کردن کارِ الطاف خدا است

یعنی اولیاء اللہ کی آواز گویا خدا کی آواز معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا

تو اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا کام ہے۔

سالک کو چاہیئے کہ مرشد کی تلقین و ہدایت کے مطابق تمام لطائف کا ذکر مکمل کرے اور اس دوران جو احوال و انوار نظر آئیں۔ مرشد کی خدمت میں عرض کرتا رہے۔ لیکن اگر کسی کو لطائف کے انوار نظر نہ آئیں تو بھی رنجیدہ اور ملول نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہر وقت ذکر کی جدو جہد کرتا رہے۔

تو دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار

میدار نہفتہ چشمِ دل بجانبِ یار

یعنی تم ہمیشہ اور ہر جگہ خواہ کسی کام میں مشغول ہو مگر پوشیدہ طور پر اپنے

دل کی آنکھ محبوب حقیقی کی طرف مرکوز رکھیے۔

سالک کا یہ کام ہے کہ ہر وقت ذکر الٰہی اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا سے بہرہ ور ہو۔ کشف و کرامات اور احوال و مواجید کی طرف ذرا بھی دھیان نہ دے۔ اگر کچھ حاصل نہ ہو تو بھی پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کشف و کرامات پر روحانیت کا مدار نہیں اور اگر ان میں سے کچھ نصیب ہو جائے تو ہرگز فخر و غرور میں مبتلا نہ ہو ورنہ بالآخر ندامت و پشیمانی اور مہجوری ہی مقدر بنے گی۔ نیز اپنے

باطنی رازوں کی پردہ پوشی کرے۔ سوائے پیرو مرشد کے کسی کو ہرگز نہ بتائے۔ رازداری ترقی کا زینہ ہے اور افشائے راز محرومی کا باعث۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بجا طور پر فرماتے ہیں۔ ؎

این مدعیاں در طلبش بے خبر اند

کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

یعنی یہ مدعی لوگ تو اس کی تلاش میں بالکل بے خبر ہیں اور جنہیں فی الواقع خبر ہو گئی پھر ان کی اپنی خبر بھی لوٹ کر نہیں آئی۔

؎ میان عاشق و معشوق رمزیست

کراما کاتبیں را ہم خبر نیست

یعنی عاشق اور معشوق کے درمیان ایک ایسا راز ہے کہ کراماً کاتبین کو بھی اس کی خبر نہیں۔

بنا بریں سالک کو چاہیے کہ روحانیت میں اپنی منتہائے نظر قرب و رضائے حق پر رکھے اور راہ کی لذتوں، راحتوں اور سرور و انبساط کو خاطر میں نہ لائے۔ اس کا مطمحِ نظر تو دنیا اور عقبیٰ دونوں سے ماوراء ہونا چاہیے۔ ؎

اگر دنیا و عقبیٰ پیش آید

نظر کردن بر آں ہرگز نشاید

یعنی اگر دنیا و آخرت دونوں سامنے آ جائیں تو بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے۔ خاصان حق جب مقامات کے حصول سے بھی صرف نظر اور توبہ کر لیتے

ہیں تو پھر ان کو ہر گھڑی فیض میسر رہتا ہے۔

یہاں اس امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ بعض ارباب طریقت اپنے مریدوں کو تمام عمر مجاہدہ و ریاضت میں لگاتے رکھتے ہیں۔ ہر طالب کو سخت امتحان اور آزمائش سے گزارتے ہیں اور فیض صرف ان کو دیتے ہیں جو خدمت اور محبت میں مشغول رہیں۔اس طرح بہت سے طالبان سلوک اکثر محروم رہ جاتے ہیں۔ لیکن بحمد اللہ ہمارے پیر کامل اور مرشد حقیقی عارف باللہ فانی فی اللہ قبلۂ عالم حضرت خواجہ محمد سلطان عالم دامت انوارھم القدسیہ پوری کوشش اور کامل توجہ سے طالب کو بعجلت تمام سلوک کی تکمیل کرا کے معرفت حق اور وصال الٰہی سے شاد کام فرماتے ہیں۔چنانچہ کتنے ہی میرے برادران طریقت تھوڑی ریاضت اور حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت و شفقت سے انتہائی کم عرصے میں جادۂ سلوک طے کر کے صاحب ارشاد ہو چکے ہیں۔ میرے حضرت کی سخاوت و فیض رسانی اور سرعت تاثیر کا یہ عالم ہے کہ مجلس میں جس طرف نگاہ پھرے کام کر جاتی ہے۔ جو بھی قریب آتے اسے توجہ اور فیض روحانی سے نہال فرما دیتے ہیں۔میں اس نعمت عظمٰی کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس سگ نابکار کو کمال مہربانی اور شفقت سے انسان بنا دیا ہے۔

فصل اوّل اصطلاحاتِ نقشبندیہ

فصل دوم فضائلِ اخلاق

فصل سوم رذائلِ اخلاق

Marfat.com
Marfat.com

فصل اول :

اِصطلاحاتِ نقشبندیہ

حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ کے ہاں چند اصطلاحات مروج ہیں جن پر اس طریقہ عالیہ کی بنیاد قائم ہے۔ ان میں سے چند نکات کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ کے اشغال واعمال اور طریق سلوک سے ہے اور کچھ اصطلاحات ان شرائط کو ظاہر کرتی ہیں جن کی پابندی کرنا اثر پذیری کے لئے ضروری ہے۔ رشحات اور دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کی بنیاد حسب ذیل گیارہ اصطلاحات پر ہے:

☆ہوش دردم ☆نظر بر قدم ☆سفر در وطن

☆خلوت در انجمن ☆یاد کرد ☆باز گشت

☆ نگہداشت ☆ یادداشت ☆وقوف زمانی

☆وقوف قلبی ☆وقوف عددی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "القول الجمیل" میں فرماتے ہیں کہ ان میں سے پہلی آٹھ اصطلاحات حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ سے منقول ہیں اور آخری تین کا اضافہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ (القول الجمیل اُردو، ص۹۴)

راہ سلوک میں گامزن ہر مبتدی کے لئے ان گیارہ اصولوں پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ ذیل میں ان کلمات قدسیہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

ا۔ ہوش در دم:

ہوش در دم کا معنی ہے، ہر وقت دم یعنی سانس کا خیال رکھنا۔ مراد یہ ہے کہ طالب مولا سانس کی آمدورفت میں اس قدر بیدار اور ہوشیار رہے کہ کوئی سانس یادالٰہی سے خالی نہ جائے۔ ذکر خواہ لسانی ہو یا قلبی، کامل حضورِ دل سے کیا جائے۔ اس میں ذرا غفلت اور فرق نہ آنے پائے۔ البتہ دم سے مراد بطور خاص ذکر قلبی ہے جس کو "پاس انفاس" کہتے ہیں۔ سالک کے لئے ہوش در دم کی رعایت ازبس ناگزیر ہے۔ مبتدی کے لئے بطورِ خاص لازم ہے کہ اس کا کوئی سانس غفلت میں نہ گزرے۔ یہ مسلسل آگاہی اور رعایتِ دم تفرقہ۔ نفسی کو دفع کرتی اور آہستہ آہستہ دوام حضور تک پہنچا دیتی ہے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں: "اس طریقہ۔ عالیہ نقشبندیہ میں دم یعنی سانس کی نگہبانی بہت ضروری ہے۔ جو شخص دم کی نگہداشت نہ کرے گویا کہ وہ طریقہ شریفہ بھول گیا ہے"

اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ کا ارشاد ہے۔:

"اس طریقہ۔ عالیہ کا دارومدار ہی دم پر ہے۔ ہر سانس جو گزر رہا ہے وہ گویا ایک خزانہ ہے جو ہاتھ سے جا رہا ہے لہذا کوئی بھی دم اور سانس اندر آنے اور باہر جانے میں بغیر ذکرالٰہی کے ضائع نہ ہونے پائے"۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کیونکہ جو دم گزر جائے وہ ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کا واپس آنا محال ہے اور جو آئندہ آنے والا ہے خدا جانے وہ آئے یا نہ آئے۔ انسان کے پاس صرف وہی ایک دم ہے جو زمانہ۔ حال میں جاری ہے۔ لہذا اس کو چاہیے کہ اپنے ہر سانس کی قدر جانے اور غفلت میں نہ گزارے بلکہ

مکمل حضور و آگاہی میں بسر کرے۔ ؎

نگہدار دم راکہ عالم دمے است

دمے پیش دانا بہ از عالمے است

یعنی اپنے دم کی نگہداشت کرو کہ زندگی ایک دم ہی سے عبارت ہے۔ عقلمند آدمی کی نظر میں ایک سانس کی قدر و قیمت پورے عالم سے بڑھ کر ہے۔

انسان کو دن رات میں چوبیس ہزار دم حاصل ہیں اور ہر دم میں اللہ تعالیٰ کے قرب، مشاہدے اور وصال کے مواقع ارزاں ہیں۔ پس بندے کا جو سانس اللہ تعالیٰ کے تصور اور ذکر سے معمور ہو وہ ایک گوہر بے بہا ہے جس سے دولت دارین اور سعادت کونین حاصل ہو سکتی ہے۔ ؎

بہر دم ذکر باید کرد عادت

ترا زیں کار شد حاصل سعادت

یعنی ہر سانس کے ساتھ ذکر کی عادت ڈالنی چاہیئے کہ اس کام سے تمہیں سعادت و نیک بختی حاصل ہو گی۔

یہ عمر گراں مایہ جس کے ایک ایک تار تنفس میں سعادت ابدی کا خزانہ چھپا ہوا ہے انسان کو صرف ایک ہی بار میسر آتی ہے۔ لہذا جو سانس بھی یادالٰہی سے غفلت اور بے پروائی میں گزر جاتے وہ بالآخر حسرت و افسوس اور دائمی پچھتاوے کا باعث ہو گا۔ چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے کہ: "جو ساعت بندہ پر غفلت میں گزری وہ اس کے

لئے قیامت میں حسرت و ندامت کا باعث ہو گی لیکن اس وقت حسرت و ندامت کچھ کام نہ آئے گی"۔

زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ خدا کی یاد اور اطاعت و بندگی میں مشغول رہے۔ اس لئے اگر کوئی ایک دم اور سانس بھی ذکر مولیٰ کے بغیر غفلت میں گزرے تو بعض حضرات اس کو گناہ شمار کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک تو یہ کفر متصور ہوتا ہے کہ جو دم غافل، سو دم کافر۔

ہر آں کو غافل از وے یک زمان است

دراں دم کافر است اما نہان است

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ایک گھڑی بھی غافل رہا وہ اس لمحے کافر ہے مگر چھپا ہوا۔

۲۔ نظر بر قدم:

آدابِ سلوک کے حوالے سے نظر بر قدم کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ سالک ہر قدم اٹھانے سے پہلے خیال رکھے کہ میرا قدم کہیں شریعت کے خلاف تو نہیں پڑ رہا۔ اگر ایسا ہو تو اپنا قدم روک لے۔ دوسرے یہ کہ ہمیشہ بدی اور نیکی کے قدم پر نگاہ رکھے کہ کونسا قدم غالب ہے۔ برائی کا قدم پیچھے ہٹائے اور نیکی کا قدم آگے بڑھائے۔ تیسرے یہ کہ مراتبِ قرب میں اپنے مقام پر نظر رکھے کہ ترقی کا قدم کس جگہ ہے۔ چوتھے یہ کہ اپنی راہ ولایت کو دیکھے کہ کس نبی کے زیر قدم ہے اور یوں اپنے حالات و واقعات کو اپنے پیشوا کے مناسب کرتا چلا جائے۔ پانچویں یہ کہ جادۂ سلوک کو

Marfat.com

طے کرنے میں اس قدر سرعت و برق رفتاری ہو کہ سالک کی نظر جہاں تک پہنچے فوراً قدم بڑھا کر وہیں پر رکھ دے۔ اور چھٹے یہ کہ سالک اس قدر بلند ہمت ہو کہ پہلا قدم اٹھاتے ہی اپنی نظر سلوک کے مرتبہ۔ نہایت پر رکھے۔

تاہم نظر بر قدم کا انتہائی سادہ اور عام فہم تصور یہ ہے کہ انسان چلتے پھرتے اپنی نگاہ پشت پا پر رکھے اور بیٹھے ہوتے اپنے آگے دیکھے تاکہ اِدھر اُدھر متوجہ ہونے سے نظریں پراگندگی اور خیالات میں انتشار پیدا ہو کر جمعیتِ باطن زائل نہ ہونے پائے اور سوائے حق تعالیٰ کی حضوری کے اور کوئی حالت لاحق نہ ہو۔ آنکھیں نیچی رکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ نامحرم پر نظر نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (النور: ۳۰)

یعنی اے میرے حبیب صلی اللہ علیک وسلم! ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے سب کاموں سے آگاہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی آنکھیں فتنے کا بہت بڑا سبب بنتی ہیں۔ دل تابع نظر ہوتا ہے۔ اکثر برے خیالات بری نظر سے پھوٹتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے: "نامحرم عورت پر نظر پڑنا ایک زہر آلود تیر ہے جو ہلاک کر دیتا ہے"۔

(مستدرک حاکم، ج ۴ ص ۳۱۴، درمنثور ج ۵ ص ۴۱، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳)

ایک اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ: "روز قیامت جبکہ سوائے عرش الٰہی کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا ایسے آدمی کو عرش الٰہی کا سایہ میسر آئے گا جس کو دنیا میں کسی حسین و مالدار عورت نے برائی کی طرف بلایا ہو اور وہ خوف الٰہی کے تحت اپنی نظریں پھیر کر بچ نکلا ہو"۔

بنا بریں انسان کو لازم ہے کہ نگاہ قدم پر جمائے رکھے۔ جہاں تک ہو سکے آنکھوں کے فریب سے بچا رہے۔ اگر اتفاقاً کسی نامحرم پر نظر پڑ جائے تو فوراً نگاہ ہٹا لے اور اسی وقت توبہ کرے۔

بایں کارے اگر مشغول باشی

یقیں دانم کہ تو مقبول باشی

۳۔ سفر در وطن:

سفر در وطن کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان ظاہری جسم کے ساتھ کسی ملک، صحرا، یا شہر کی سیر کرے اور خدا کی وسیع و عریض کائنات میں اس کی لامحدود قدرت کے مظاہر و آثار اور عجائبات فطرت کا مشاہدہ کرے جیسا کہ حکم خداوندی:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ (العنکبوت : ۲۰)

یعنی فرما دیجیے! تم زمین میں سیر کرو۔

کا تقاضا ہے۔ اس سیر آفاقی کی افضل ترین صورت حجِ بیت اللہ شریف اور زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس سفر ہے۔ یہ سفر بے پناہ برکتوں، سعادتوں اور

رحمتوں کے حصول کا ضامن ہے۔ سفر در وطن کی دوسری صورت سیر انفسی ہے۔ یہ ظاہری طور پر اپنے وطن میں حالتِ اقامت کے اندر قلب و روح کا باطنی سفر ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ آدمی اوصاف رذیلہ بشریہ کو چھوڑ کر فضائلِ حمیدہ ملکیہ کی جانب انتقال کا سفر جاری رکھے تاکہ اس کا آئینہ دل جلا پا کر تحت الثریٰ سے ملکوت السموٰت تک قدرت کے اسرارِ جہاں سے آگاہی حاصل کرے۔ سالک کے لئے سفر باطن بلاشبہ انتہائی فضیلت و اہمیت کا حامل ہے کیونکہ جب تک وہ اپنے دل کو اوصاف ذمیمہ سے پاک کر کے اخلاق حسنہ سے متصف نہ کر لے اس میں تجلیات نورالٰہی کا ورود نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کے حال پر غور کرتا رہے کہ آیا اس میں ماسوی اللہ کی محبت باقی ہے اور اوصاف رذیلہ حرص و طمع، کبر و غرور اور حسد و بغض وغیرہ کا نشان پایا جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ان رذائل کو دور کرنے اور محبت دنیا کو دل سے نکالنے کی کوشش کرے تاکہ حبِ الٰہی اور ذکر و فکر کی پاکیزہ کیفیات سے سرشار ہو سکے۔ سفرِ باطن کا تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے۔ اسکی روح جذبات شوق و محبتِ سے معمور اور ذکرِ اسم ذات کی لذت و حلاوت سے بہرہ ور رہے۔ اس طرح سالک ہر آن باطنی مقامات و لطائف کی سیر کرتا رہے اور ولایت صغریٰ و کبریٰ، ولایت علیا، شیونات، کمالات اور حقائق کی راہ سے غیب الغیب کا فیض پالے۔

۴۔ خلوت در انجمن

حضرت محبوب یزدانی، قطب ربانی خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ سے کسی

نے دریافت کیا کہ آپ کے طریقۂ عالیہ کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ آپ نے فرمایا : "خلوت درانجمن پر"۔ اس کا مفہوم ہے بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوتے باطن میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور رہنا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ سالک کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اس طرح مشغول و مستغرق ہو اور یاد مولیٰ کا اس قدر پختہ ملکہ حاصل کر لے کہ ہر مجلس اور ہر حال میں، ہر کام اور ہر مصروفیت میں، ہر آن اور ہر کیفیت میں اس کا باطن خدا کی یاد اور حضوری میں رہے۔ اپنے ذہن کو غیر اللہ کے خیال سے پاک کر کے ہر وقت یادِ حق سے سرشار رکھے۔ اپنے دل کو ہر لمحہ مشاہدۂ جمالِ یار سے روشن رکھے۔ خلوت و جلوت، سکون و حرکت اور فراغت و مصروفیت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ ذرا بھی اپنے دل میں غفلت و تفرقہ کو راہ نہ پانے دے۔ ابتدا میں یہ کیفیت حاصل کرنے اور برقرار رکھنے میں کافی تکلف اور محنت و مشقت سے کام لینا پڑتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ طبیعت اس میں ڈھل جاتی ہے۔ پھر عینِ تفرقہ میں جمعیت اور نفسِ غفلت میں حضور باطن میسر رہتا ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طریقہ کی نسبت سے باطنی اشغال اور ذکر میں استغراق اس حد تک ہو جاتا ہے کہ اگر ذاکر بازار میں جا رہا ہو اور مختلف آوازیں آ رہی ہوں تو بھی اس کو سوائے ذکر کے اور کچھ سنائی نہ دے گا۔

بنا بریں سالک کو چاہیے کہ اپنے ظاہر کو حقوق اللہ کی ادائیگی، حدود شریعت کی پاسداری اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مشغول رکھے۔ باطل عقائد، فاسد خیالات اور بُرے اعمال سے اجتناب کرے۔ بدعت اور گمراہی کی ہر صورت سے بچے۔ دینی عقائد و افکار، شرعی افعال و اعمال اور روحانی احوال و اشغال میں اس قدر پختہ ہو

کہ ذرہ بھر بھی کوئی حرکت خلافِ شرع سرزد نہ ہو اور کوئی عمل سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا واضح اور دوٹوک ارشاد ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

"یعنی اے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔

پس اپنے ظاہر کو اتباع شریعت اور پیروی سنت سے آراستہ کرو اور باطن کو محبتِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آباد رکھو۔ ذکرِ حق کی کثرت سے اپنے قلب و روح کا تزکیہ کرو اور بظاہر مخلوق کے ساتھ رہتے ہوئے باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ اس طرح مشغول رہو کہ کسی قسم کی دنیاوی مصروفیات تمہیں یادِ حق سے غافل نہ کر پائیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَوٰةِ (النور: ۳۷)

یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ انہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر، اقامتِ نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی۔

حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ازدروں شو آشنا وز بروں بیگانہ باش

ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

یعنی اپنے قلب و باطن کو ہر لمحہ محبوب حقیقی سے آشنا رکھو اور ظاہری حالت پر بیگانگی طاری کئے رہو۔ مگر اس طرح کی عمدہ روش والے تو دنیا میں بہت کم یاب ہیں۔

۵۔ یاد کرد:

یاد کرد کے معنی ہیں ذکر کرنا۔ ذکر اسم ذات ہو یا پاسِ انفاس، نفی واثبات ہو یا صرف اثبات، ذکرِ لسانی ہو یا قلبی، بہرآئینہ مرشدِ طریقت کی تلقین واجازت کے مطابق کثرت سے خدا کا ذکر کرنا سلوک کی اولیں شرط اور اس راہ کا پہلا قدم ہے۔ ذکر کا مقصود تزکیہ نفس، حضور حق اور رضائے دوست ہے۔ پس چاہیئے کہ دل ہر قسم کے دنیاوی خیالات اور نفسانی خواہشات کی آلودگیوں سے پاک ہو کر ہمہ وقت توجہ الی اللہ کا ملکہ۔ راسخہ حاصل کر لے۔ یہی طریقت کا جوہر اور زندگی کی غایت ہے۔ ؎

زندگی یاد است نزد عارفاں

غافل ازوے یک زماں صد مرگ واں

یاد کن تو یاد کن تو یاد کن

غفلت و نسیان را برباد من

یعنی اہل عشق و معرفت کے نزدیک زندگی کی حقیقت اور مقصود صرف

یادِ الٰہی ہے۔ محبوب حقیقی کی یاد سے ایک ساعت بھر غافل رہنا سینکڑوں بار مرنے کے برابر ہے۔ اس لئے تو ہر لمحہ خدا کو یاد کر۔ اسی کے ذکر میں مشغول رہ اور غفلت و نسیان کا پردہ چاک کر۔

۶۔ بازگشت:

بازگشت کے معنی ہیں رجوع کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر جب کلمہ۔ طیبہ یا اسم پاک "اللہ" کا ذکر کرے تو طاق عدد کی رعایت سے۔ چند بار ذکر کرنے کے بعد نہایت خشوع و خضوع اور عجز و تواضع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی زبان اور دل سے یہ مناجات کرے:

"الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو، محبت و معرفت خود بدہ"

یعنی تو ہی مقصود میرا اور رضا تیری اے خدا۔ اپنا عشق اور محبت اپنی مہربانی سے میرے دل میں ڈال۔

بازگشت کا یہ کلمہ سالک کو بہت فائدہ دیتا ہے۔ یہ اس کے دل سے تمام وساوس و خطرات کی نفی کر کے ذکر میں اخلاص کو بڑھاتا اور ریا کو ختم کرتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد و مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ: "بازگشت ذکر میں شرط عظیم ہے۔ سالک کے لئے ہرگز روا نہیں کہ اس سے غافل رہے۔ ہم نے جو کچھ پایا اسی کی برکت سے پایا ہے"۔

دوران ذکر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کلمات بازگشت دہرانا اس لئے ضروری ہے کہ اثنائے ذکر جو سرور و کیفیات میسر آئیں، سالک انہیں کو اپنا مقصود سمجھ کر مغرور نہ ہو

جائے بلکہ منزل قرب و رضائے حق کی جانب نہایت اخلاص اور عجز وانکسار کے ساتھ گامزن رہے۔ باز گشت دراصل ہر قسم کے مثبت و منفی تخیلات کا علاج کر کے سالک کو اخلاص باطن اور تقویٰ و پارسائی کی منزل سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ ؎

اے عزیزاں ! باز گشت را یاد دار

ہر کہ ایں دارد بود پرہیز گار

یعنی اے عزیزو ! باز گشت کو خوب یاد رکھو۔ جو کوئی اس کا اہتمام کرے وہ پرہیز گار ہو جاتا ہے۔

۷۔ نگہداشت :

نگہداشت یہ ہے کہ سالک جملہ خطرات کی نفی کا مراقبہ کرے اور نفسانی وساوس کو دل سے دور رکھے۔ اپنا ظاہر و باطن خداوند کریم کی طرف لگا دے اور ذکر و مراقبہ کے دوران قلبی ارتکاز اور یکسوئی میں ذرا فرق نہ آنے دے۔ اصول نگہداشت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح شکاری اپنے شکار کی نگرانی میں انتہائی چوکنا رہتا ہے اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ ہر وقت بیدار و ہوشیار رہے۔ دل میں اول تو کسی قسم کے خیالات اور وسوسوں کو آنے ہی نہ دے اور اگر آجائیں تو فوراً نکال دے کیونکہ اگر چند لمحے بھی اس کے وجود میں خطرات کا اثر قائم رہا تو پھر اس کا زائل کرنا دشوار ہو گا۔

دراصل خطراتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی آپس میں ملے جلے ہیں اور یہی فسادِ قلب کی جڑ بنیاد ہیں۔ سالک جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں۔ انہی خیالات کے تسلسل میں شیطانی وساوس ذکر سے گڈمڈ

ہوجاتے ہیں اور یوں ذکرِ الٰہی کا اثر دل پر مرتب نہیں ہونے دیتے۔ یہ تو راہ سلوک کے مبتدی کی حالت ہوتی ہے لیکن منتہی پر بھی بعض اوقات غفلت طاری ہو سکتی ہے۔ اس لئے سالک اور واصل سب کو نگہداشت کی ضرورت ہے۔ ؎

اے برادر گر تو داری ایں سلاح
جملہ کار تو بیاید باصلاح

تا توانی فکر را مشغول دار
حق تعالیٰ تا ترا مقبول دار

یعنی اے بھائی! اگر تم یہ محافظ رکھتے ہو تو تمہارے سارے کام سنور جائیں گے۔ پس جہاں تک ہو سکے اپنے فکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے رکھو تاکہ وہ تمہیں اپنا مقبول بنالے۔

۸۔ یاد داشت:

یاد داشت سے مراد یہ ہے کہ سالک کو ذات حق تعالیٰ سے دوام آگاہی اور اس کی طرف ایسی دائمی توجہ میسر آجائے جو الفاظ و تخیلات سے مجرد اور حضور بے غیب کی آئینہ دار ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ: هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید: ۴)

یعنی وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

سے عیاں ہے کہ بندہ ہر حال میں رب العزت کی معیت صفاتی سے بہرہ یاب رہتا ہے۔ اور جب بوجہ حبِ ذاتی کے دل پر شہودِ حق کا غلبہ ہوجاتا ہے تو بندے کو سوائے حق کے کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ ہر وقت ذاتِ مقدس کے دھیان میں رہتا ہے اور اسے بارگاہِ حق

Marfat.com

کا ایسا دائمی حضور میسر آجاتا ہے جس میں شئون واعتبارات کا حجاب نہیں رہتا۔ یاد داشت کی اسی حالت کو مشاہدہ کہتے ہیں اور یہ سالک کو فنائے اتم اور بقائے اکمل کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ ؎

یادداشت حاصل شود بعداز فنا
بلکہ حاصل می شود بعداز بقا

بعدازیں غافل نہ باشد یک زماں
خواہ باشد فرح و غم، سود و زیاں

یعنی یادداشت سالک کو فنا بلکہ بقا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ ایک لحظہ بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا خواہ اسے خوشی یا غم اور نفع نقصان کوئی بھی حالت درپیش ہو۔

سرسری طور سے دیکھیں تو مذکورہ بالا اصطلاحات نقشبندیہ میں سے آخری چار یعنی یاد کرد، باز گشت، نگہداشت اور یادداشت ایسی ہیں جو باہم مماثل اور قریب تر نظر آتی ہیں۔ لیکن گہری نظر سے دیکھنے پر ان کا باہمی فرق و امتیاز نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے ان چاروں اصطلاحات کا باہمی فرق اس طرح اجاگر فرمایا ہے کہ یاد کرد سے ذکر میں تکلف مراد ہے۔ باز گشت دورانِ ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور مناجات کی صورت ہے۔ نگہداشت اس رجوع الی اللہ کی محافظت کا نام ہے اور یادداشت دل سے جملہ خیالات کی نفی اور دوام آگاہی سے تعبیر ہے۔

۹۔ وقوف زمانی:

وقوفِ زمانی سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت خدا کی یاد سے ہوشیار اور اپنے حال سے واقف رہے۔ پاسِ انفاس میں حضور و غفلت کا خیال رکھے اور ہر لمحہ اپنا محاسبہ کرتا رہے تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ کس حال میں ہے۔ پس اگر نیکی وطاعت کی حالت ہو تو شکر کرے اور معصیت یا غفلت کا شکار ہو تو استغفار اور توبہ کرے۔ اسی طرح سالک کو چاہیے کہ دورانِ ذکر ہر ساعت کے بعد اپنے دل کا مشاہدہ کرے۔ اگر حالتِ بسط میں ہو یعنی ذکر کی لذت سے شاد کام اور خطرات و وساوس سے پاک ہو تو شکر ادا کرے اور ذوق وشوق سے ذکر کرتا رہے لیکن اگر قبض کی حالت میں ہو یعنی دل بوجھل اور فیض بند ہو جائے تو استغفار کرے اور ذکر میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد گرامی حالت قبض میں مجھے توبہ واستغفار اور حالت بسط میں شکر کی تلقین فرماتے تھے۔

وقوف زمانی دراصل محاسبۂ نفس کا اصول ہے اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سالک کا معاملہ وقوف زمانی ہی پر موقوف ہے۔ لہذا اسے چاہیئے کہ ہر آن اپنے دل کی حالت پر نظر رکھے اور اگر کبھی غفلت پیدا ہو جائے تو اسے فوراً دور کرے اور یاد حق میں مستعد رہے۔ راقم الحروف کے شیخ کامل حضور قبلہ۔ عالم غفلت دور کرنے کا طریقہ یہ تجویز فرماتے ہیں کہ جونہی دل پر قبض کی حالت طاری ہو سالک توبہ واستغفار کرے۔ اسم ذات "اللہ" کی جہری ضرب اپنے دل پر لگائے۔ جنگلوں اور باغات میں جا کر سبز درختوں کا مشاہدہ اور مجلس کرے کیونکہ وہ ذاکر ہوتے ہیں۔ اس طرح

انشاءاللہ غفلت دور اور قبض ختم ہو جائے گی۔ خاکسار مؤلف کتاب کو بحمداللہ اس عمل کا

تجربہ حاصل ہے۔

۱۰۔ وقوفِ عددی:

وقوفِ عددی سے مراد اثنائے ذکر ہر سانس میں طاق عدد کی رعایت ہے۔ سالک کو

چاہیئے کہ نفی اثبات کا ذکر کرتے ہوئے نفی کے وقت وجودِ بشریت کی نفی کرے اور

اثبات کے وقت ذاتِ حق میں مستغرق ہو جائے۔ اس دوران "حبسِ دم" کئے رکھے اور

ایک دم میں تین، پانچ، سات، اکیس یا تینتیس (۳۳) بار تک طاق عدد کی رعایت سے ذکر

کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود وِتر ہے اور وتر یعنی طاق کو پسند کرتا ہے۔ خواجہ علاؤالدین

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں تعداد کا زیادہ ہونا شرط نہیں لیکن طاق عدد کی رعایت

ضروری ہے۔ اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ کا ارشاد گرامی ہے ک

ذکر قلبی میں طاق عدد کی رعایت تفرقہ کو دور کرنے اور جمعیت خاطر پیدا کرنے میں خاص

طور پر مؤثر ہے۔ لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرے۔

۱۱۔ وقوفِ قلبی:

وقوفِ قلبی کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ ذاکر کا دل سب کی طرف سے ہٹ ک

معبودِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے ارشا

فرمایا ہے کہ: "وقوف سے مراد یہ ہے کہ سالک کے دل میں حق تعالیٰ سے آگاہی ا

دربار الٰہی میں اس کا حضور اس طور پر ہو کہ ماسوی اللہ سے کوئی تعلق اور کسی قسم ک

دوسری ضرورت پیشِ نظر نہ رہے۔ دورانِ ذکر اس طرح کی حضوری اور آگاہی شرط

Marfat.com

س کے بغیر ذکر مؤثر نہیں ہوتا۔

وقوفِ قلبی کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ذاکر اپنے دل سے واقف اور ہر لحظہ اس کی طرف
توجہ رہے۔ دورانِ ذکر اپنے بائیں پستان کے نیچے جھانکے اور لطیفہ۔ قلب کا خاص خیال
کھے تاکہ بیرونی خطرات اور وسوسے اس میں داخل نہ ہوں اور قلب ذاتِ حق سے غافل نہ
ونے پائے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ ذکر میں وقوفِ قلبی کو ازبس
روری اور لازم خیال فرماتے ہیں کیونکہ ذکر کا مقصد ہی رفعِ غفلت ہے اور وہ بغیر
قوفِ قلبی کے ممکن نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سالک کو ذکر سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے
قوفِ قلبی ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے وقوفِ قلبی ذکر سے فیض یاب ہونے
کی شرطِ لازم ہے اور طریقہ۔ نقشبندیہ کا دارومدار اسی پر ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

مانند مرغاں باش تو بر بیضۂ دل پاسباں
کز بیضۂ دل زایدت مستی و شور و قہقہہ

یعنی تو اپنے دل پر ذکر اللہ کا پہرہ اسی طرح بٹھا دے جیسے پرندہ اپنے انڈے
پر بیٹھتا ہے تاکہ تیرے بیضۂ دل سے عشق کی مستی اور شور و اضطراب
پھوٹے۔

فصل دوم:

فضائلِ اخلاق

۱۔ توبہ

ایک سالک کے لئے جن مقامات طریقت کو طے کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے پہلا مقام توبہ۔ خالص ہے۔ یہ راہ طلب کا پہلا قدم اور جادۂ سلوک کی اولیں منزل ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک یہ ہر مقام کی اصل اور ہر حال کی کلید ہے۔ روحانیت کے تمام دروازے اس کے بعد ہی کھلتے ہیں۔ پس اہل ایمان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں کیونکہ اس نے حکم دیا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا (التحریم: ۸)

یعنی اے ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو، سچی توبہ۔

توبہ۔ نصوح کا معنی یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر سچے دل سے ندامت ہو اور اس پختہ ارادے کے ساتھ توبہ کی جائے کہ پھر کبھی گناہوں کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ توبہ نصوح کے ارکان تین ہیں: دل میں ندامت، زبان پر استغفار اور بدی سے مکمل انقطاع۔ توبہ ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو، تمام ارکان و شرائط متحقق ہوں اور گناہ کا اثرِ خاص یعنی طبعی تعلق مٹ جائے تو ایسی توبہ صحیح اور مقبول ہوتی ہے۔ توبہ قبول ہو جائے تو آدمی گناہ

ے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ

(کنز العمال حدیث ۱۰۱۴۹، جمع الجوامع حدیث ۱۰۳۴۰)

یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

سچی توبہ ایک ایسا نور اور روشنی ہے جو گناہوں کو یکسر دھو دیتی اور دل کی تمام تر ظلمتوں کو کافور کر دیتی ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "توبہ گناہ کا تریاق، باریابی کی کلید اور مسرت کا سرچشمہ ہے" (صد میدان ص۱۷)

سچ تو یہ ہے کہ بندۂ مومن کے اشک ندامت رب غفور ورحیم کی بارگاہ میں موتیوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ؎

کچھ شان کریمی نے اس انداز سے تولا

بھاری ہی رہا دیدۂ تر، دامن تر سے

توبہ ہر شخص پر ہر آن لازم ہے کیونکہ انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں رہتا۔ شیطان کے وساوس اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ واعلیٰ مراتب کی توبہ مختلف ہے۔ گناہوں کی معافی کے علاوہ توبہ حصولِ سعادت کا مستقل ذریعہ ہے۔ ؎

بہ ہر دم توبہ باید کرد عادت

ترا زیں کار شد حاصل سعادت

یعنی اے انسان! تجھے ہر وقت توبہ کی عادت ڈالنی چاہیئے کہ اس طرح تجھے

سعادت و نیک بختی حاصل ہو گی۔

۲۔ صبر

سالک کے اوصاف حمیدہ میں سے دوسری صفت یہ ہے کہ وہ صبر اختیار کرے۔ صبر در حقیقت ضبطِ نفس کا نام ہے اور چونکہ ضبطِ نفس ہی انسان کا مرتبہ کمال اور دین کا مقصود اصلی ہے اس لئے طریقت میں صبر کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ صبر انسان کا جوہر حیات اور ایمان کا شرف و وقار ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ایمان کو صبر سے تعبیر کیا گیا اور قرآن حکیم میں صبر کو امامت و سیادت عالم کا سبب ٹھہراتے ہوئے اہل صبر کو بے حساب اجر و ثواب کی نوید دی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صبر کو ایمان کا رکن قرار دیتے ہوئے فرمایا: "جسے صبر حاصل نہ ہو اس کا ایمان نہیں ہوتا"۔

(قوت القلوب، ج ا ص۲۰۹)

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "صبر کے بغیر سچی توبہ نہیں ہو سکتی بلکہ کسی فرض کی ادائیگی اور کسی گناہ سے اجتناب بغیر صبر کے ممکن نہیں"۔

(احیاء العلوم، ج ۴ ص۶۶)

صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک طبعی جو کہ انسان کی نفسی قوتِ برداشت سے عبارت ہے اور یہ اس کی طبعی حالت ہے۔ دوسرے صبر دینی جس کی تعلیم قرآن مجید دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ (آل عمران ۲۰۰)

یعنی اے ایمان والو! صبر اختیار کرو۔

Marfat.com

صبر دینی یوں تو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے چنانچہ ناگوار حالات کو برداشت کرنا، طاعات پر استقامت اختیار کرنا، راہ حق میں شجاعت و پامردی کا مظاہرہ کرنا، بدخواہوں سے درگزر کرنا، انفرادی و اجتماعی زندگی میں نازک مواقع پر ضبطِ نفس سے کام لینا اور خواہشات نفسانی کی بھرپور مزاحمت کرنا حتیٰ کہ عافیت و خوشحالی اور نعمت و آسودگی میں دل نہ لگانا بھی صبر کا بنیادی تقاضا ہے، تاہم صبر دینی کی دو بڑی صورتیں واضح طور پر نمایاں ہیں: ایک یہ کہ مصائب و تکالیف پر کسی قسم کا اضطراب و بے قراری نہ ہو بلکہ مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ جو سختی، بیماری اور تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے اس کو صبر سے برداشت کرنا اور زبان یا دل سے کسی قسم کا شکوہ نہ کرنا انسان کا درجہ بڑھاتا اور اسے قرب الٰہی سے نوازتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ (البقرہ : ۱۵۳)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر کی دوسری نمایاں صورت یہ ہے کہ انسان خواہشات نفسانی مثلاً حرص و طمع وغیرہ پر غلبہ پالے۔ صبر کی اس نوع میں کمال عمدگی پائی جاتی ہے کیونکہ نفسِ انسانی کے طبعی تقاضوں کو ضبط و انقیاد کی راہ پر ڈالنا بہت مشقت طلب کام ہے۔ دنیا کی حرص انسان کے لئے آخرت کی نعمتوں سے محرومی کا سبب بنتی ہے جیسا کہ ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ دنیا اور آخرت انسان کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے باہم اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ ایک کو پانے کیلئے دوسری سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ اپنی

Marfat.com

دینی قوت سے روح کو طاقت دے اور حرص کی نفی کرے کیونکہ اگر حرص و طمع میں مبتلا ہو کر دنیا داری پر چل نکلا تو کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بالآخر خالی ہاتھ ہی رہ جاتے گا۔

؎ جہاندار داند جہاں داشتن

یکے را بریدن، یکے کاشتن

یعنی جہان رکھنے والا آئین جہانداری جانتا ہے۔ اس کا دستور ایک کو کاٹنا اور دوسرے کو بونا ہے۔

حرص کا علاج قناعت شعاری سے ہوتا ہے اور یہ بھی صبر ہی کی ایک صورت ہے۔

؎ پس قناعت پیشہ کن اے بوالفضول

حسبۃً للہ بگذر از طمع فضول

یعنی اے فضول آدمی اب قناعت و صبر اختیار کر اور لایعنی طمع کی خاطر اس ثواب کو نہ چھوڑ جو اللہ کی بارگاہ سے ملے گا۔

صبر و قناعت کو اپنا شیوہ وہی لوگ بنا سکتے ہیں جن کی نظریں دنیا اور متاعِ دنیا کی حقیقت پوری طرح آشکار ہو۔ ؎

در نظرِ مردانِ صفا

کل شئی ھالک الا خدا

یعنی مردان باصفا کی نظر میں اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

Marfat.com

۳۔ شکر:

شکر منعم حقیقی کی طرف رجوع اور اس کی منشاء کے مطابق استعمالِ نعمت سے سالک کے دل میں پیدا ہونے والی لذت و سرور کی خاص کیفیت سے عبارت ہے، اور فی الواقع یہ بہت عظیم صفت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ شکر ایمان کی جڑ، دین کی اصل اور اطاعت الٰہی کی بنیاد ہے۔ جس انسان کے دل میں شکر کا حقیقی جذبہ راسخ ہو جاتے اس کو دین و دنیا میں بھلائی کے لئے کسی اور محرک ضرورت نہیں رہتی۔ بنابریں سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہے کہ اس کا حکم ہے:

وَاشْكُرُوا لِي (البقرۃ: ۱۵۲)

یعنی اور میرا شکر ادا کرتے رہو۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (النحل: ۱۱۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کے عبادت گزار ہو۔

شکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی بلند مرتبہ صفت ہے اور یہ بہت کم بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن حکیم نے کفر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شکر انعامات الٰہیہ کی قدر جاننے اور احکام ربانی کی پیروی کرنے کا نام ہے جبکہ خدا کی نافرمانی اور انعامات الٰہیہ کی ناقدری کفر سے عبارت ہے۔ چنانچہ فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر : ۳)

یعنی ہم نے انسان کو راستہ بتا دیا (کہ) وہ شکر کرے یا کفر کی راہ اپنائے۔
شکر بقائے نعمت کی شرط اور مزید انعام کا ذریعہ ہے جبکہ کفرانِ نعمت سراسر محرومی کا باعث ہے:

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِى لَشَدِيدٌ
(ابراھیم : ۷)

یعنی اگر تم شکر گزار ہو گے تو اور زیادہ نعمتیں دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔
شکر کے نتیجہ میں افزائش نعمت کا مشاہدہ بندے کو احساس تنعم، زیادتیِ علم، حسنِ یقین، پاکیزگیِ اخلاق، اطاعت میں استقامت، حسنِ خاتمہ اور اخروی جزا کی صورت میسر آتا ہے۔ بنابریں انسان پر لازم ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔ خواہ دینی انعامات ہوں یا دنیاوی اور چاہے بدنی نعمتیں ہوں یا مالی، سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے اور ہر نعمت کا شکر ادا کرے۔ یہاں تک کہ شکر اس کی عبادت دینی بن جائے۔ ؎

اگر خواہی کہ گردی معتبر تو
ترا باید کہ عادت کن شکر تو

یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ معتبر بن جاؤ تو پھر تمہیں شکر گزاری کی عادت ڈالنی چاہیے۔
شکر دل سے بھی ادا ہوتا ہے، زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ دل سے ادراکِ منعم،

زبان سے اقرارِ نعمت اور عمل سے تسلیمِ نعمت کا نام شکر ہے اور اس کی اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ انسان ہر نعمت کو اس طرح بروئے کار لائے کہ وہ نعمت پھر حوالۂ رب ہوجائے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شکر یہ ہے کہ منعمِ حقیقی کے احسانات سے فائدہ اٹھا کر اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے"۔

شکرِ منعم تقاضائے فطرت ہے۔ اس لئے اگر کوئی انسان دوسرے کے ساتھ نیکی و احسان کا برتاؤ کرے تو اس کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے۔ درحقیقت بندوں کا شکریہ ادا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی سپاسگزاری ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

(مُسند احمد: ج ۲ صفحہ ۲۵۸ البغوی، ج ۷ صفحہ ۲۶۱) ترمذی: ۱۹۵۵

یعنی جس نے بندوں کا شکریہ ادا نہیں کیا وہ اللہ کے شکر سے غافل رہا۔

۴۔ رجاء:

رجا دراصل کسی پسندیدہ چیز کے انتظار میں دل کی مسرت و خوشی کا نام ہے۔ راہ طریقت میں ایک سالک کے لئے رحمت الٰہی سے زیادہ محبوب شے اور کیا ہو سکتی ہے کہ توفیق ایزدی سے لے کر نجات اخروی اور رضائے الٰہی تک ہر نعمت کی ارزانی اسی رحمت پر منحصر ہے۔ پس ایک سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم کا امیدوار رہے اور کبھی یاس و ناامیدی کو اپنے قریب نہ آنے دے کہ مایوسی اسلام میں کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۖ إِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْكَٰفِرُونَ (یوسف ، ۸۷)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر۔

گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عفوو کرم کی امید دلا کر توبہ واستغفار کی راہ دکھاتا ہے۔

قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ

(الزمر: ۵۳)

یعنی آپ فرما دیجیے ! اے میرے بندو جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرماتا ہے، وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو جو اپنے گناہوں کے باعث رحمت الٰہی سے مایوس تھا، فرمایا: "تیرے گناہوں سے زیادہ تیری اپنے رب سے ناامیدی بڑا گناہ ہے"۔ (احیاء العلوم، ج ۴ ص ۱۴۵)

فی الواقع مایوسی سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ ہے کیونکہ رحمت الٰہی کی امید ہی سے گناہ گار بندے کو سکون و حوصلہ ملتا اور عمل کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم انسان کو چاہیئے کہ وہ محض امید ورضا کے سہارے بے عملی اور غفلت شعاری کی راہ پر نہ چل نکلے بلکہ ہمیشہ سعی و کوشش اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے۔ رجا کی علامت یہ ہے

کہ بندہ کثرت عبادت و اطاعت کے ذریعے رب کی رضا اور اسکا قرب پانے کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔ اور یقین رکھے کہ مقاصد دینی و دنیوی، فلاح و سعادت اور نجات اخروی کا حصول رب کریم کی بے حساب رحمت اور بے پایاں فضل و کرم پر موقوف ہے۔ اسی احساس کا نام امید ہے اور یہی امید ایمان کار کن، شیوہ بندگی اور نوید کامرانی ہے۔ اسی سے اطاعت کا جذبہ ابھرتا اور عبادت کی مشقت آسان ہوجاتی ہے۔ بقول حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ:

"امید کی خدمت کی سواری، فکر و نظر کا توشہ اور عبادت الٰہی کا ساز و سامان ہے"۔

اس لئے رب قدوس کی رحمت سے بندۂ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا کیونکہ مایوسی تو شیطان کا مقدر ہے: ؎

کار الطاف تو بے پایاں بود

ناامید از رحمت شیطاں بود

یعنی اے باراللہ! تیری مہربانیاں بے حد و بے حساب ہیں اور تیری رحمت سے ناامیدی تو صرف شیطان کا مقدر ہے۔

۵۔ خوف الٰہی:

کسی متوقع تکلیف یا ناگوار حالت کے اندیشہ سے دل میں درد و سوزش کی جو لہر اٹھتی ہے اسے خوف کہتے ہیں۔ بندے کے دل میں اپنے گناہوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی

ناراضگی اور عذاب کا احتمال جو اضطراب و پریشانی اور سوز و گداز پیدا کرتا ہے اس کا نام خوف الٰہی ہے۔ سالک کے لئے امید کے ساتھ خوف کا ہونا ضروری ہے کہ خوف الٰہی سے ایمان کا تحفظ، گناہوں کا تدارک اور خواہشات نفسانی کا قلع قمع ہوتا اور نیکیوں کی ترغیب و توفیق ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

وَاخْشَوْنِ (المائدہ : ٤٤)

یعنی مجھ سے ڈرتے رہو

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَأسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ

(کنزالعمال حدیث ۵۸۷۳، درمنثور، ج ۲ ص ۲۲۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے

خوف الٰہی بہت بڑی نعمت ہے جو حق تعالیٰ کے اوصافِ جلال، قہر و غضب اور عقاب و عذاب کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ ہر بندے کو چاہیئے کہ اپنے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا رہے اور اخروی حساب و کتاب اور عذابِ دوزخ سے پناہ مانگتا رہے۔ دنیا کی آلودگی اور گناہوں کی تاریکی سے بچتا رہے۔ طاعت و عبادات میں غفلت اور کوتاہی نہ کرے۔ خواہشاتِ نفس اور ابلیس کے مکر و فریب سے خبردار رہے۔ ہر لحظہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور دل کو ہمیشہ سوز و گداز اور خشیت الٰہی سے معمور رکھے۔

از عذاب چشم جریاں میکند
خوفِ دوزخ قلب بریاں می کند

یعنی قہر خداوندی سے خوف کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری رہیں اور عذابِ دوزخ کا خوف دل کو سوزواضطراب میں مبتلا رکھے۔

۶۔ زہد:

سلوک و معرفت کے راستے کا پہلا قدم دنیا کو آخرت کی خاطر تج دینا اور مال ودولت سے حظ نفس کو ترک کردینا ہے اور اسی کا نام زہد ہے۔ زہد ایمان کا تقاضا، تقویٰ کا دروازہ، محبتِ الٰہی کا ذریعہ، تمام فضائل واعمال کی جڑ اور دین پر استقامت کی بنیاد ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے کہ "ہم نے تمام اعمال کا جائزہ لیا مگر آخرت کے معاملے میں زہد سے زیادہ مؤثر کوئی عمل نہیں پایا"۔

(احیاء العلوم، ج ۴ ص ۲۲۲)

زہد کا آغاز یہ ہے کہ دل سے دنیا کی محبت اور مال کی حرص نکل جائے۔ آخرت کا یقین اور فکر پیدا ہو جائے۔ قناعت زہد کا دروازہ، انفاق اس کی کلید اور رضا اس کا حال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ
(الحدید: ۲۳)

یعنی تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر غم نہ کھاؤ اور جو کچھ تمہیں دیا ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

جب تک دل سے دنیا کی محبت اور خواہش پرستی نہ نکلے اور زہد وقناعت اس میں جاگزیں نہ ہو تب تک عبادت کی لذت اور زبان کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔ زہد

انسان کو دنیا کی آلائشوں سے محفوظ رکھتا اور محبت و رضائے الٰہی سے ہمکنار کرتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "جو لوگ دنیا سے محبت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے" اور ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ اہل زہد دنیا کی مالی لذتوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں تو رب العزت انہیں دار بقا کی روحانی لذتوں اور اپنے قرب و رضا کی حلاوتوں سے شاد کام فرماتا ہے۔

زاہداں ازمرگ مہلت خواستند

زاں کہ لذات بقا را داشتند

یعنی زاہدوں نے موت سے مہلت مانگی کیونکہ وہ بقاباللہ کی لذتوں سے بہرہ ور ہیں۔

۷۔ عقیدۂ توحید:

ایمان باللہ انسانی فطرت کی اولین پکار اور دین کا پہلا تقاضا ہے۔ توحید الٰہی پر محکم عقیدہ اور پختہ یقین ہی وہ اساس و بنیاد ہے جس پر مذہب، اطاعت اور اخلاق کی پوری عمارت قائم ہوتی ہے۔ توحید کے کئی درجات ہیں: پہلا یہ کہ انسان اپنی زبان سے خدا کی وحدانیت، ربوبیت اور الوہیت کا اقرار اور دل سے ان تمام باتوں کی تصدیق کرے جو کلمۂ ایمان کا تقاضا ہے۔ دوسرا یہ کہ سالک اس کائنات کی ہر چیز میں خدا کی عظمت کا جلوہ اور اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھے۔ اور تیسرا یہ کہ بندہ ہر حال اور ہر ضرورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ خوف و امید کا رشتہ اسی سے جوڑے۔ اسی کی اطاعت و عبادت میں سرگرم عمل رہے۔ اپنے تمام معاملات میں اسی پر اعتماد و بھروسہ رکھے۔ اپنی

زندگی اور موت احکام الٰہی کے تابع اور رضائے رب پر نثار کردے اور ساری مخلوق سے بے خوف و بے نیاز ہو جائے۔ یہی کمالِ توحید ہے اور یہی کمالِ ایمان۔ ؎

اگر خواہی تو ایمان سلامت

تو در وحدت گزاری دم امانت

یعنی اگر تم اپنا ایمان سلامت چاہتے ہو تو پھر اپنی زندگی کا ہر سانس توحید الٰہی کے مطابق بسر کرو۔

۸۔ توکل:

سالک کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور بھروسہ رکھے۔ خدا کو ہر چیز پر قادرِ مطلق اور خود کو بے اختیار سمجھے۔ اپنے سب حول و قوت کو اللہ کی طرف سے جانے۔ اپنے تمام معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ توکل ایمان کا تقاضا اور توحید کی پہلی شرط ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر توکل نہ ہو تو اس پر ایمان بھی نہ ہو گا۔ قرآن حکیم میں توکل کو ایمان سے وابستہ کرتے ہوئے دو ٹوک حکم دیا گیا ہے:

وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ (ابراھیم ۱۱)

یعنی اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کا حامی و مددگار اور اس کے تمام دینی اور دنیاوی اور ظاہری و باطنی امور کا کفیل و ضامن ہوتا ہے:

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ (الطلاق ۳)

یعنی اور جو بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔

توکل ترکِ اسباب وسائل کا نام نہیں بلکہ اسباب پر ترک اعتماد کا نام ہے۔ دنیا میں کسی چیز کے حصول اور کسی مقصد میں کامیابی کے لئے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں۔ انہیں پوری طرح استعمال کیا جائے لیکن اعتماد ان اسباب و وسائل کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت پر رکھا جائے۔ نظر اس کی ذات سے ہٹنے نہ پائے۔ توکل کی یہ حقیقت جن لوگوں کے عقیدہ و عمل میں سرایت کر جائے وہ غیر اللہ سے بے خوف اور بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ وہ کبھی مایوسی، بے دلی اور کم ہمتی کا شکار نہیں ہوتے۔ ہر طرح کے حالات میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے۔ جہاں پہنچ کر بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ توکل سے زیادہ کوئی مقام قابل عزت و رفعت نہیں ہے۔ حضرت ابو محمد سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سارے کا سارا علم عبادت و تقویٰ کا ایک دروازہ ہے اور سارے کا سارا تقویٰ زہد کا ایک دروازہ ہے اور سارے کا سارا زہد توکل کا ایک دروازہ ہے" (قوت القلوب ج ۲ ص ۱۷)

در توکل باش تو اے مہرباں
تا تو باشی در شمار اولیاں

در توکل کوشش ہیں در آیتہ
حب دنیا راس کل خطیتہ

یعنی مہربانِ من! توکل پر قائم رہو تاکہ تمہارا شمار اولیاء اللہ میں ہو۔ توکل میں کوشش کرو اور اس حدیث میں خوب غور کرو جس کا مفہوم یہ ہے کہ

Marfat.com

محبتِ دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے۔

۹۔ محبت الٰہی:

نفس کے کسی چیز کی طرف مائل ہونے کا نام محبت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا دل اپنے محبوب کے ساتھ اس حد تک مشغول ہو جائے کہ وہ ہمیشہ محبوب کی طرف محو التفات رہے اور اس کے سوا دوسروں سے اپنی توجہ منقطع کر لے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے جو انسان کے سینے میں بھڑک اٹھے تو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا کر فنا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کا خالق و مالک ہی نہیں محبوبِ حقیقی بھی ہے۔ اس کی محبت ہماری فطرت کی گہرائیوں میں پیوست ہے۔ روح انسانی ہر لحظہ خدا کی محبت سے سرشار اور اس کے قرب و وصالِ کی آرزومند رہتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تمام اصحابِ طریقت اور اربابِ حقیقت کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ انسان کی تخلیق کا سب سے بڑا مقصد خدا تعالیٰ کی محبت ہے"۔
(سیر الاولیاء، ص ۴۵۲)

غور کریں تو ایمان اسی محبت الٰہی کے اظہار اور دین اس تعلق کے استحکام کا نام ہے۔ بنابریں ایک مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہونی

Marfat.com

چاہیئے۔ ظاہر و باطن، قول و فعل اور حرکت و سکون غرض وجود کے سب حوالے خدا کی سچی اور خالص محبت کے رنگ میں رنگے ہوں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرہ : ۱۶۵)

یعنی اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کی محبت انسان کے دل و دماغ اور روح و ضمیر میں بس جاتے تو اس کی زندگی کا ہر رخ سنور جاتا ہے اور ہر گوشہ پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ محبت الٰہی سے انسان کا نفس پاک ہوتا اور اس کی ذات میں مرکزیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دنیا اور اس کی آلائشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور قرب الٰہی کی راہ پر آگے بڑھنے لگتا ہے۔ دنیا کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ لہذا جب تک دل میں محبت الٰہی کا چراغ روشن نہ ہو۔ اس کا تزکیہ نہیں ہو سکتا۔

پس اے طالبان طریقت! تمہیں چاہیے کہ اس فانی دنیا اور دنیاداروں کی محبت دل سے نکال کر اس میں خدا کی سچی اور خالص محبت کا بیج بو دو تاکہ روحانیت اور قرب الٰہی کے سفر میں یہ محبت قدم قدم تمہاری اعانت اور رہبری کرتی رہے اور تمہیں دنیا کے ہموم و آلام سے نجات دلا دے۔ ؎

در محبت باش تو ثابت قدم
تا زتو مفرور باشد درد و غم

یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت میں ثابت قدم رہو۔ تاکہ درد اور غم تم سے دور بھاگیں۔

تا توانی باش دائم در حضور
وآنچہ غیرِ حق ازاں کلی نفور

یعنی جہاں تک ممکن ہو ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں حاضر رہو۔ اور جو کچھ غیراللہ میں شمار ہے اس سے مکمل طور پر نفرت رکھو۔

۱۰۔ شوق باری تعالیٰ:

کسی پوشیدہ چیز کی طرف دل کی رغبت اور میلان کو شوق کہتے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ انسان کے دل میں جس چیز کا خیال، تمنا یا آرزو بیدار ہو۔ نفس اس کے حصول اور تکمیل کا اشتیاق رکھے۔ شوق محبت کا اثر ہے۔ جس شے سے محبت ہو اسی کا شوق دل میں ابھرتا ہے۔ اور بندۂ مومن کے لئے خدا کی ذات سے زیادہ محبوب اور کیا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اس کا دل ہمیشہ وصال حق اور دیدار الٰہی کے لئے مشتاق و بے تاب رہتا ہے۔ اور قرآن گواہ ہے کہ جس دل میں لقاء الٰہی کا شوق ہو گا وہ اپنے مقصود کو ضرور پائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَن كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ (العنکبوت، ۵)

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید اور شوق رکھتا ہو وہ جان لے کہ اللہ کی طرف سے معین وقت ضرور آنے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے قلبِ مشتاق کو بہت جلد اپنے جمال جہاں آرا کے دیدار اور اپنی بارگاہ عالی کے قرب و حضور سے سرفراز فرمائے گا۔ دراصل شوق ہی وہ

چیز ہے جو منزل مقصود کی درازاور دشوار راہ کو انتہائی سہل اور مختصر بنادیتی ہے۔ کوئی رنج و تکلیف، کوئی ترغیب و تحریص اور کوئی رکاوٹ شوق کی راہ میں مانع نہیں ہوسکتی۔ طلب سچی اور شوق ہمت افزا ہو تو ہر تمنا بر آتی اور ہر منزل طے ہو جاتی ہے۔ ؎

شوق در ہر دل کہ باشد

رہبرے در کار نیست

یعنی جس دل میں ذوق و شوق موجود ہو اسے منزل تک رسائی کے لئے کسی رہبر کی ضرورت نہیں رہتی۔

شوق الٰہی ایمان کی نشانی اور وصول الی اللہ کی سواری ہے۔ اس کی برکت سے دنیا کی محبت مٹتی اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اس کے طفیل مومن دیدار الٰہی کا متمنی اور وصال باری کا مشتاق رہتا اور دنیا، موت اور دوزخ کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس پر ہر گھڑی رب کی رحمتیں اور نعمتیں برستی ہیں۔ ؎

رحمت حق می رسد بر محسناں

دمبدم ہم عاشقان وصالحاں

صاحب ایں مرتبہ کامل بود

زانکہ آں در ذوقِ حق شامل بود

در دو عالم جز خدا بس نیست بس

از چہ باید کرد پس دیگر ہوس

یعنی احسان اور نیکی کرنے والوں پر اور عاشقان الٰہی اور صالحین پر ہر گھڑی

خدا کی رحمت ہوا کرتی ہے۔ جو آدمی شوق و محبت الٰہی سے سرشار ہو وہ کامل ہوتا ہے۔ دونوں جہاں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں ہے تو پھر اس کے سوا کس چیز کی طلب کی جائے۔

۔انس الٰہی:

انس سے مراد قرب محبوب میں آرام و آسائش پانا ہے۔ خدا کی محبت اور شوق کا مرانس الٰہی ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اللہ سے انس کی لذت تب نصیب ہوتی ہے ب محبت خالص ہو جائے۔ اور جسے انس الٰہی نصیب ہو بظاہر جسمانی طور پر لوگوں میں ہوتا ہے لیکن اس کا دل محبوب کی طرف متوجہ اور اس کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے۔ اور اس کی روح یاد الٰہی سے آباد اور سکون و اطمینان سے معمور ہوتی ہے۔ اس پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ ٱلْمُؤْمِنِينَ (الفتح : ۴)

"یعنی اللہ وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون و اطمینان اتارا"۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس رکھتا ہے اسے رحمت الٰہی اور فرشتے گھیر لیتے ہیں۔ اور اس کا سینہ انوار و تجلیات الٰہی سے روشن ہو جاتا ہے۔ انس الٰہی کی خاص علامت انسان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت تنہائی اور خلوت میں گزارے کیونکہ اس کے دل سے ماسوا اللہ کی محبت نکل جاتی ہے اور اس کے دل پر انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔

ہر کہ او در حُب مولیٰ غرق شد
جملہ کار از ماسوی اللہ ترک شد

در حقیقت حل مشکل ہاست عشق
صیقل آئینہ و دلہاست عشق

یعنی جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں غرق ہو گیا تو اللہ کے سوا اس سے سب کام چھوٹ گئے۔ حقیقت میں تمام مشکلات کا حل عشق الٰہی ہے اور شیشہ۔ دل کے لئے صیقل (صفائی کنندہ) عشق ہے۔

۱۲۔ تسلیم ورضا:

تسلیم ورضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا کی تقدیر پر مطمئن اور شکر گزار رہے۔ دل سے، زبان سے یا عمل سے کسی قسم کی شکایت، اعتراض اور ناگواری کا اظہار نہ کرے۔ خوشی وغم، صحت وبیماری، رنج وراحت اور نرمی وگرمی ہر حالت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھے اور ہمیشہ تقدیر الٰہی پر راضی رہے۔ یہی ایمان کی نشانی اور فلاح و نجات کی ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ یہ محبت الٰہی کا نتیجہ اور ثمر ہے۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی تقدیر پر راضی کر دیتا ہے"۔
(جمع الجوامع : ۱۱۱۷)

تقدیر الٰہی تو اٹل اور محکم فیصلہ ہے جو بندے پر ہر حال میں جاری ہو کر رہتی ہے

خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر بندہ تسلیم و رضا کا شیوہ اپنا لے اور اپنے آپ کو مرضئ رب کے حوالے کر دے تو اسے دنیا میں راحت و خوشی، سکون و اطمینان اور فراخی و برکت ملے گی اور آخرت میں قرب و رضائے حق کا اعلیٰ مقام نصیب ہو گا۔ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ "رضا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا دروازہ ہے۔ یہ دنیا کی جنت اور عبادت گزاروں کی راحت ہے"۔

ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ آخرت میں سب سے بلند درجات ان لوگوں کے ہوں گے۔ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ اللہ کی تقدیر پر ناراض اور شکوہ سنج رہتے ہیں ان کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا اور مصیبت و تکلیف طول پکڑتی ہے۔ وہ اور زیادہ غضب الٰہی کا مورد بنتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے راحت و خوشی یقین اور رضا میں رکھی ہے۔ اور غم و فکر شک اور تقدیر پر ناراضگی میں"۔

بنابریں سالک کو چاہیئے کہ ہر حال میں تقدیر الٰہی پر صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا شیوہ اپنائے۔ ہمیشہ خدا کی مرضیات پر قائم اور احکام شریعت پر عمل پیرا رہے تاکہ سلوک و روحانیت کی منازل طے کر کے قرب اور رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو سکے۔ اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کبھی مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

جز رضائے حق نباید دم زدن
دم بدم از عشق او جاں میکنی

چوں یقیں بر حق بیابی استوار
ہیچ مشکل را نیابی زینہار

۱۳۔ حسن نیت:

نیت انسانی عمل کے لئے روح و جان کی حیثیت رکھتی ہے۔ عمل سے پہلے نیت لازم اور نیت میں سچائی اور اخلاص ضروری ہے۔ نیت کے بغیر عمل صرف ایک مشقت اور خلوص کے بغیر نیت محض بیکار ہے۔ عمل ہر حال میں نیت کا محتاج ہے جبکہ حسنِ نیت عمل کے بغیر بھی افادیت سے خالی نہیں۔ حدیث پاک:

إِنَّمَا ٱلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور نیتوں کو جانچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں صرف نیک عمل مطلوب نہیں بلکہ وہ نیک عمل درکار ہے جس کی نیت بھی اچھی ہو۔ اور نیت محض الفاظ اور زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ دل کی آمادگی اور باطنی ارادہ کا نام ہے۔

بنا بریں سالک کو چاہیے کہ اپنے ہر عمل، ہر حرکت اور سکون کی ہر کیفیت میں پاکیزہ، اچھی اور نیک نیت رکھے۔ نیت اچھی ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے خالص ہو۔ ریاکاری، نام و نمود اور ہر قسم کی نفسانی اغراض سے بالکل پاک، بندے کا ظاہر و باطن اللہ کی طرف متوجہ اور اس کا ہر عمل خالص رضائے الٰہی کے لئے ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ۔ (البینہ : ۵)

یعنی انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

حسنِ نیت اور اخلاص کی رعایت سالک کے لئے بہت ضروری بھی ہے اور نہایت مشکل بھی لیکن جس آدمی کا دل دنیا کی بجائے دین کی طرف مائل اور روحانیت سے فیض یاب ہو اس کے لئے ہر کام میں حسنِ نیت کی معرفت اور اہتمام بہت آسان ہے۔ پس اے برادران طریقت! اپنے ہر عمل سے پہلے نیت کو خالص اور پاکیزہ بناؤ تاکہ تمہارا کوئی عمل ضائع اور باطل نہ ہو اور دونوں جہاں کی سعادت میسر آئے۔ ؎

اے برادر ایں عمل را یاد دار

تا ترا حاصل نہ باشد کار زار

یعنی اے بھائی! اس کام کو اچھی طرح یاد رکھو تاکہ تمہارے اعمال کا نتیجہ خراب نہ ہو۔

۱۴۔ اخلاص:

اخلاص یہ ہے کہ بندے کا ہر عمل دنیاوی اغراض اور نفسانی خواہشات کی آمیزش سے بالکل پاک اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ انسان جو بھی کام کرے اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو۔ یہی ایمان کا تقاضا اور خدا کا حکم ہے۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ "جو بندہ اخلاص کے ساتھ خدا کو یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عزیز رکھتا ہے۔ اور اپنے قرب سے سرفراز فرماتا ہے"۔

نیت عمل کی روح اور اخلاص نیت کی جان ہے۔ انسان کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی نیت اور ہر نیت میں کچھ نہ کچھ اچھائی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن کامل اخلاص نیت بہت ہی سخت اور دشوار کام ہے۔ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "نفس پر سب سے زیادہ بھاری چیز اخلاص ہے"۔

دراصل یہ بہت ہی مشکل کام ہے کہ انسان اپنے عمل کو ہر قسم کی آمیزش سے بالکل پاک کر دے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "جس شخص کا ساری زندگی میں ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو جائے وہ نجات پائے گا"۔ چنانچہ حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مبارک ہے وہ بندہ جس کا ایک قدم بھی اللہ کی رضا کے لئے اٹھتا ہے"۔

فصل سوم:

رذائِل اخلاق

۱۔ خواہش پرستی:-

رذائل اخلاق میں سب سے پہلی چیز اتباعِ ہوی یعنی خواہشِ نفس کی پیروی کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اسے وحی وہدایت کی ضد اور مشرکین کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيُرِيدُ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلشَّهَوَٰتِ أَن تَمِيلُواْ مَيْلًا عَظِيمًا
(النساء : ۲۷)

یعنی یہ (مشرکین) جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں تمہیں (صراط مستقیم سے) بالکل ہٹا دینا چاہتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفسِ امارہ کی سفلی خواہشات پر عمل کرنا تمام برائیوں، فتنوں اور گمراہیوں کی جڑ ہے۔ اس سے آدمی میں حرص، تکبر اور ریا کی آفات پیدا ہوتی ہیں۔ انسان خدا کو بھول کر نفس پرستی، بدکاری، حرام خوری، اسراف و تبذیر، بدزبانی اور منشیات کا عادی ہو جاتا ہے۔ شریعت اور ایمان کے تقاضوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ موت، آخرت اور محاسبہ سے غافل ہو کر دنیاداری میں محو ہو جاتا ہے۔ خواہش پرستی میں مبتلا شخص درحقیقت مشرک ہے اور مشرک پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔ وہ جنتی نہیں

Marfat.com
Marfat.com

ہو سکتا۔

اسلام کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو خواہشِ نفس کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کی راہ پر لگا دیا جائے۔ خواہش نفس پر غلبہ حاصل کئے بغیر ایمان و اخلاق اور تقویٰ و روحانیت کی پاکیزہ زندگی میں قدم رکھنا ممکن نہیں۔ خواہش پرستی واصلوں کے لئے حجاب اور سالکوں کے لئے سد راہ بن جاتی ہے۔ جس شخص کے اعمال خواہش نفس کے تابع ہوں وہ بارگاہ الٰہی میں کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے دریافت کیا گیا: وصال حق (کا راستہ) کیا ہے؟ فرمایا: خواہشِ نفس کی پیروی چھوڑنا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے خطاب:

دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ. یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اور آ کر واصل ہو جا

کا منشا بھی یہی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: مُخَالَفَةُ النَّفْسِ رَاسُ الْعِبَادَةِ

یعنی نفس کی مخالفت سب عبادتوں کی سرتاج ہے۔

بنابریں صاحبِ طریقت پر لازم ہے کہ ہمیشہ خواہشِ نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ شہوتِ بطن، شہوتِ جنس اور رغبتِ مال غرض لذّت پرستی کی ہر شکل سے اجتناب کرے۔ حلال غذا کھائے۔ مخلوق سے بے نیاز ہو کر اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اس کی مرضیات پر ثابت قدم رہے اور ناراضگی سے ہمیشہ ڈرتا رہے۔ دنیا، نفس اور شیطان کے مکروفریب سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچائے رکھے۔ بقول شاعر ؎

کن حذر ابلیس و نفس ایں دشمن اند
کن حذر از فتنہ دنیا ہوشمند

یعنی ابلیس اور نفس تمہارے دشمن ہیں۔ ان سے محتاط رہیے اور اے عقل والے! دنیا کے فتنے سے بچ کر رہیے۔

۲۔ آفات زبان:

انسان کے اعضائے جسم میں زبان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ قلب کی سفیر اور باطن کی ترجمان ہے۔ زبان سے نکلنے والا ہر لفظ انسان کی شخصیت اور سیرت و کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یوں تو آدمی کا ہر عمل اس کے باطن اور نفسِ ناطقہ پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن دل پر سب سے زیادہ اثر زبان کا پڑتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جسم کی اصلاح قلب سے ہوتی ہے اور قلب کی اصلاح زبان کی اصلاح پر منحصر ہے۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے: "کسی آدمی کا ایمان سیدھا نہیں ہوتا جب تک اس کا دل سیدھا نہ ہو اور دل اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک زبان سیدھی نہ ہو"۔

(مسند احمد: ج ۳ ص ۱۹۸، درمنثور، ج ۲ ص ۲۲۱)
(کنز العمال حدیث ۲۴۹۲۵، مجمع الزوائد: ج ۱ ص ۲۵۳)

انسانی زبان کی جنبش اور اس سے نکلنے والا ہر لفظ آدمی کے نامہ اعمال میں درج ہوتا ہے جس کا اسے حساب دینا ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ۱۸)

یعنی وہ زبان سے کوئی بات نہیں کہتا مگر اس کے پاس (اسکا) نگہبان لکھنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

Marfat.com

اور ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ : "زبان کے عیوب ہی اکثر لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ دھکیلیں گے"۔

زبان کے عیوب سے مراد وہ تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ ہیں جو اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ ان میں فضول گفتگو، بے ہودہ بات، یاوہ گوئی، دشنام طرازی، لعن طعن، غیبت، چغلی، جھوٹ، افشائے راز، تمسخر واستہزاء، پر تکلف کلام، ناجائز مناظرہ، سخن چینی، بے حیائی، مکروفریب، فحش گوئی اور دیگر بہت سی آفاتِ لسان شامل ہیں۔ زبان کا بے ہودہ استعمال آدمی کے دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اس میں معرفتِ الٰہی حاصل کرنے اور حکمتِ ربانی سے فیضیاب ہونے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ کثرت سے آفاتِ لسانی کا ارتکاب کرنے والا شخص ایمان سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔

بناء بریں اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زبان کے ان فتنوں سے بچیں۔ ایسی بری مجالس سے اجتناب کریں جو بیہودہ کلام اور فضول گفتگو سے آلودہ ہوں۔ زبان کی آفتوں سے بچنے کا بہترین ذریعہ خاموشی ہے۔ اس سے ہمت مجتمع، فکر یکسو اور دماغ تروتازہ رہتا ہے۔ خاموشی انسان کے وقار وہیبت کو قائم رکھتی ہے۔ اس سے شخصیت کی خامیاں چھپی رہتی اور سیرت و کردار کی خوبیاں پروان چڑھتی ہیں۔ راہِ طریقت کا تو پہلا سبق ہی ماسوااللہ سے فارغ ہو کر خاموشی سے ذکر الٰہی میں مشغولیت ہے۔ جس آدمی کی زبان خاموش اور دل ذکر الٰہی میں مشغول رہے اس کی روح سے عشق الٰہی کا شعلہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کا باطن سوزو گداز اور کیف و سرور سے بھر جاتا ہے اور محبت و ذکر الٰہی کا یہ سرمایہ خاموشی کی انمول سوغات ہے۔ ؎

بزباں گنگ و بلب خاموش اے عزیز
لذت این ذکر نوش اے با تمیز

یعنی اپنی زبان اور ہونٹوں کو بند رکھو اور خاموش رہ کر ذکرِ الٰہی کی لذت سے شاد کام ہو۔

حرکت لب را زباں را ترک کن
خویش را در عشق مولیٰ غرق کن

یعنی اپنے ہونٹوں اور زبان کی حرکت پر پہرے بٹھا دو اور خود کو عشقِ الٰہی کے سمندر میں غرق کر دو۔

لب بہ بند و چشم بند و گوش بند
گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

یعنی ہونٹ، آنکھ اور کان بند کر کے دیکھ لے۔ اگر پھر بھی تیری روح پر اسرار الٰہی منکشف نہ ہوں تو میری اس تلقین کا تمسخر اڑا لینا۔

۳۔ غصہ:

غضب ایک قلبی قوت ہے جس کا ہونا تو فطری بات ہے لیکن اس کی افراط اور بے محل استعمال اخلاقی عیب ہے۔ قرآن حکیم میں کفار کے متعلق آیا ہے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
(الفتح : ۲۶)

یعنی جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غضب، غصہ اور ضد نری جہالت اور نافرمانی کی باتیں

ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا انسانیت کا تقاضا ہے۔ غصہ دراصل شیطان کا اثر اور آگ کا شعلہ ہے جو انسان کے دل، دماغ اور پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس کی عقل ماؤف، فکر پراگندہ، روح تاریک اور ظاہری حالت معیوب ہو جاتی ہے۔ غصّہ میں انتہائی شریف اور باوقار آدمی بھی خفیف اور ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ شیطان سب سے زیادہ غصے کے وقت انسان پر قابو پاتا ہے اور اس کے اثرات کی تلافی ممکن نہیں رہتی۔ غصّہ، بغض، حسد، انتقام، بدگمانی اور زبان درازی ایسی بے شمار برائیوں کا موجب ہے۔ یہ آدمی کی بصیرت سلب کر لیتا اور ایمان کو بگاڑ دیتا ہے۔ غصّہ انسان کی بہادری نہیں، بزدلی کی علامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "طاقتور وہ نہیں جو اپنے مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے"۔

(مسلم، باب البرّ والصلۃ، مسند احمد، ج ۲ ص ۲۳۶)

بنا بریں سالک کو چاہیئے کہ غصّہ کے وقت ضبط سے کام لے۔ نفس پر جبر کر کے اس کی باگ حلم و بردباری کے ہاتھ میں دے دے۔ قوت غضبیہ کو عقل و شرع کے تابع کر کے مہذب بنا دے۔ شیطان کے اثر سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اگر تمہیں غصہ آجائے تو صبر سے کام لو۔ اپنے نفس کے عیوب پر نظر ڈالو اور جس پر غصہ آیا ہو اسے معاف کر دو"۔ سچی بات یہ ہے کہ انسان اگر غصہ کی حالت میں اپنے عیوب، گناہوں اور نافرمانیوں کا جائزہ لے۔ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں، رحمتوں اور بخششوں کا شمار کرے۔ اس کے تحمل و بردباری، عفو و کرم نوازی اور خطا بخشی و پردہ پوشی پر نظر ڈالے تو اس کے دل

سے غضب، انتقام اور نفرت کے سارے جذبات ایک دم ختم ہو جائیں گے اور وہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کر دے گا۔

پس اے سالکان راہ طریقت! تم پر لازم ہے کہ ہمیشہ اپنے نفس کی خامیوں پر نظر رکھو۔ دوسروں کی عیب چینی سے پرہیز کرو۔ کوئی تمہیں اذیت پہنچائے تو صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لو۔ اگر کبھی غصّہ آ جائے تو جتنی جلدی ممکن ہو اس کو فرو کرنے کی کوشش کرو کیونکہ بہترین اخلاق ترکِ غضب کا نام ہے۔ انسان اگر اپنے عیوب سے آگاہ رہے تو اسے دوسروں کی خامیاں نظر نہیں آتیں اور اس کا غصّہ ندامت میں بدل جاتا ہے اور جو شخص اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو وہ صحیح معنوں میں بندہ بن جاتا ہے۔ کسی شاعر نے بجا کہا ہے۔ ؎

خامشی از کذب و غیبت واجب است

ابلہ است آں کو بگفتن راغب است

تا توانی تا توانی تا تواں

عیب خود بینی، معافی دیگراں

یعنی جھوٹ اور غیبت سے خاموش رہنا واجب ہے اور وہ شخص بیوقوف ہے جو غیبت اور جھوٹ کی طرف راغب ہے۔ پس جہاں تک تمہاری طاقت و استعداد میں ہے، صرف اپنے عیوب کو دیکھا کرو اور دوسروں کو معاف کر دیا کرو۔

۴۔ بغض:

غصّہ اور انتقام کا جذبہ اگر کسی وجہ سے تسکین نہ پا سکے اور انسان کے باطن میں جم

جاتے تو بغض اور کینہ میں ڈھل جاتا ہے۔ یوں بغض اور کینہ غصّے ہی کی شاخیں ہیں۔ اس سے نفرت، عداوت اور بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لئے بغض و کینہ حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے مسلمانو! آپس میں بغض نہ رکھو۔ قطع تعلق نہ کرو۔ باہم بھائی بھائی بن جاؤ"۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

یعنی عفو و در گزر کی روش اختیار کرو، بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ برائی سے پیش آیا ہو اس سے بدلہ لینے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ عفو و در گزر سے کام لو۔ ایک دوسرے کو نیکی اور بھلائی کا حکم دو اور جاہل و ناداں لوگوں سے صرف نظر کر لو۔

پس اے سالکانِ طریقت! اگر تمہیں سعادتِ دارین کی تلاش ہے تو اپنے سینے کو مخلوقِ خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی سے بھر لو۔ کسی سے نفرت، کینہ اور بغض نہ رکھو۔ اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو بدلہ و انتقام نہ لو۔ صبر و تحمل سے برداشت کرو اور اپنا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ وہی تمہارا حقیقی کارساز اور مددگار ہے جو تمام مصائب و مشکلات، آفات و بلیات اور مخلوق کی ایذارسانی سے تمہیں محفوظ رکھے گا اور تمہارے دشمنوں سے خود بدلہ لے گا۔ تمہاری سعادت و نجات اسی میں ہے کہ اپنے دل کو ہر قسم کے منفی جذبات سے پاک کر کے کندن بنالو۔

غل و غش بگزار چوں زر پاک شو
پیش ازآں کہ خاک گردی خاک شو

یعنی اپنے دل سے کینہ اور کھوٹ نکال دو اور خالص سونے کی طرح پاک و صاف ہو جاؤ۔ قبر کی مٹی میں مل کر خاک ہونے سے پہلے عجز و انکسار کا پیکرِ خاکی بن جاؤ۔

۵۔ حسد:

کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت و راحت عطا فرمائی ہے اس پر کڑھنا اور وہ نعمت اس سے چھن جانے کی تمنا کرنا حسد ہے۔ یہ دراصل بغض و کینہ کی ایک شاخ ہے اور اخلاقی و روحانی اعتبار سے نہایت خطرناک مرض ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اس کے خطرے سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (الفلق : ۵)

یعنی (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد والے کی بدی سے جبکہ وہ (مجھ پر) حسد کرے۔
حاسد جب کسی کے عیش و آرام کو دیکھ کر جلتا ہے تو وہ صرف اس شخص کا دشمن نہیں ہوتا بلکہ در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر، فیصلے اور تقسیمِ نعمت پر ناراضگی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اور یوں گویا رحمتِ الٰہی کا منکر اور مخالف بن جاتا ہے۔
حسد سے انسان ہمیشہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ دوسرے کا کچھ نہیں بگڑتا۔ محسود کو اللہ تعالیٰ مزید نعمت سے سرفراز کرتا ہے اور حاسد کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں ڈال دیتا ہے۔ اس طرح حسد کرنے والا اپنی نیکیاں ضائع اور سعادت کی راہ کھوٹی کرتا

ہے۔ وہ ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتا اور اپنے دل کو تاریک کرتا چلا جاتا ہے۔ حسد ایک آگ ہے جو صرف حاسد ہی کو جلاتی ہے۔ یہ اس کے سینے کا ناسور ہے جو کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو"۔

(درمنثور، ج ۶ ص۲۱۹، الترغیب والترہیب، ج ۲ ص۵۴۷)

حسد کا علاج یہ ہے کہ آدمی اس چیز کی تمنا ہی چھوڑ دے جو حسد کا موجب ہے۔ محسود کی تعریف و توصیف اور اس کے لئے دعا کو اپنا معمول بنالے۔ اسکی نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرے اور اس کے ساتھ اچھے تعلقات استوار رکھے۔ پس اے برادران طریقت! تمہیں چاہیئے کہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو۔ تقدیرِ الٰہی پر راضی رہو۔ مخلوقِ خدا سے محبت، ہمدردی اور حسنِ سلوک رکھو۔ جب کسی کی دینی یا دنیاوی ترقی دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور زبان سے "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" پڑھا کرو۔ حسد، بغض اور کینہ ایسی منفی خصلتوں سے اپنے آپ کو بچاتے رکھو اور ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے رہو۔ ؎

اے پسر کم گرد گرد ایں خصال

از برائے آنکہ زشت است ایں فعال

یعنی اے عزیز! حسد و کینہ ایسی خصلتوں کے قریب بھی مت جاؤ کہ یہ نہایت بری عادتیں ہیں۔

۶۔ حُبّ دنیا:

یہ دنیا انسان کے لئے دار الامتحان اور دار العمل ہے لیکن وہ یہاں آکر مال و دولت

کی محبت، جاہ و شہرت کی طمع اور قوت واقتدار کی ہوس میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کا اصل مقصد ہی فراموش کر بیٹھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "دنیا اور اس کی تمام چیزیں اللہ کے ہاں ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہیں" (کشف الخفاء ج ۱ صفحہ ۴۹۰)

اور قرآن حکیم میں تو دنیا کی زندگی کو صرف دھوکے کی متاع ٹھہرایا گیا ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران: ۱۸۵)

یعنی دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا مال ہے۔

دنیا میں انسان کی زندگی ایک عارضی سفر ہے۔ اس سفر میں راحت و آرام کی تلاش اہلِ ایمان کا شیوہ نہیں۔ کفار کا طرزِ عمل ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

(مسلم: باب الزھد، ترمذی، مسند احمد ج ۲ صفحہ ۱۹۷، مجمع الزوائد ج ۱۰ صفحہ ۲۸۸)

"دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے بہشت ہے۔"

مومن کا مقصدِ حیات نیکی اور عبادت کی زندگی گزارنا ہے اور دنیا کی محبت اس مقصد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جو لوگ دنیا کی حرص میں مبتلا ہوں وہ یاد الٰہی، فکرِ آخرت اور اعمالِ خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی محبت ہر گناہ اور برائی کی جڑ ہے۔ یہ انسان کو خدا کی عبادت سے دور اور اس کی نافرمانی پر دلیر کر دیتی ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عبادت درست نہیں ہو سکتی جب تک آدمی دنیا کی محبت سے کنارہ کش نہ ہو جائے کیونکہ دل تو اللہ تعالیٰ نے

ایک ہی دیا ہے جب وہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو تو خدا کی عبادت نہیں کر سکتا"۔

بنا۔ بریں تمام اہل ایمان اور بالخصوص سالکانِ طریقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال دیں اور زندگی یادِ مولیٰ میں بسر کریں۔ سلوک و معرفت کے راستے کا تو پہلا قدم ہی دنیا کو اس کی تمام تر رعنائیوں سمیت ترک کر دینا ہے کہ دنیا کی محبت اہلِ طریقت کی نظر میں کفر ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند

روز و شب در زق زق و در بق بق اند

یعنی دنیا دار تو مطلق کافر ہیں کہ دن رات ذکر الٰہی سے محروم اپنی زق زق اور بق بق میں لگے رہتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دنیا اپنی ذات کے اعتبار سے شر نہیں۔ اس سے محبت کرنا اور اس کی طلب میں لگے رہنا بُرا ہے۔ جو شخص دنیا کو دین کا خادم بنا کر رکھے۔ اپنی جائز ضروریات اور اطاعت الٰہی میں اس سے مدد لے۔ اپنے دل کو مال و دولت کی محبت سے آلودہ نہ کرے۔ اس کا فکر و عمل، حرکت و سکون اور جینا مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ ایسا شخص دنیا دار ہو کر بھی پکا دیندار ہی رہتا ہے۔ اس کی دولت دنیا میں سعادت اور آخرت میں حصولِ جنت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لئے دنیا میں رہنا اور مال رکھنا برا نہیں بلکہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر خدا کو بھول جانا اصل برائی ہے۔ مولانا روم

رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے۔ ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا کی برائی کیا ہے؟ خدا کی یاد سے غافل ہو جانا۔ یہ دنیا کا سازوسامان، بیوی بچے اور سونا چاندی حقیقت میں برا نہیں۔

۷۔ بخل:

بخل یہ ہے کہ انسان مال کو ایسی جگہ خرچ کرنے سے گھبرائے۔ جہاں خرچ کرنا شریعت کا حکم یا مروت کا تقاضا ہو۔ مال کی محبت میں شرعی ضرورت یا تقاضائے مروت کو پامال کرنا۔ بہت بڑی رذالت ہے۔ دولت انسان کی ضرورت و حاجت میں صرف کرنے کے لئے ہوتی ہے نہ کہ جمع کر کے رکھنے کے لئے۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

زر بہر خوردن بود اے پسر

ز بہر نہادن چہ سنگ وچہ زر

یعنی اے فرزند! دولت استعمال کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ جمع کر کے رکھنے میں دولت اور پتھر دونوں برابر ہیں۔

مال و دولت جمع کرنے اور بخل و امساک کی روش اپنانے سے آدمی معزز نہیں بلکہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اسے آخرت کی بربادی اور دنیا کی بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَن يَبۡخَلۡ فَإِنَّمَا يَبۡخَلُ عَن نَّفۡسِهِۦ ۚ (سورۂ محمّد ۳۸)

یعنی جو شخص بخل کو اپنا وطیرہ بنائے وہ در حقیقت اپنی ہی جان پر بخل کرتا ہے۔

بخل در حقیقت مال کی محبت ہے جو آدمی کو خدا کے ذکر سے غافل بناتی اور اس سے محبت و بندگی کا رشتہ کمزور کرتی ہے۔ یہ خیانت، بے مروتی، تنگ نظری، حرص و طمع، بے رحمی اور دناءت ایسی بداخلاقیوں کو جنم دیتی ہے۔ بخیل سوسائٹی سے لاتعلق ہوتا ہے۔ آخرت، مکافات عمل اور خدا کی ربوبیت پر اس کا ایمان نہیں ہوتا۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

اَلۡبَخِيۡلُ عَدُوُّ اللهِ وَلَوۡ كَانَ زَاهِدًا

(الاسرار المرفوعة، ص۱۴۷، کشف الخفاء، ج ۱ ص۲۳۲)

یعنی بخیل اللہ کا دشمن ہے اگرچہ زاہد ہی کیوں نہ ہو۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

بخیل ار بود زاہد بحروبر

بہشتی نباشد بحکم خبر

یعنی بخیل گو خشکی و تری کا سب سے بڑا زاہد ہو مگر بموجب حدیث نبوی علی صاحبہا التحیہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گا۔

بخل اور مال کی محبت انتہائی مہلک مرض ہے۔ یہ محض ایک شخصی برائی نہیں بلکہ سماجی آزار ہے جس کے منفی اثرات پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں آتے ہی جھوٹ کے بعد سب سے پہلے بخل کو جڑ سے

Marfat.com

اکھاڑا۔ انفاق فی سبیل اللہ اور مالی ایثار کی تعلیم دی۔ ضرورت مندوں کی اعانت اور محتاجوں کی خبر گیری مسلمانوں پر فرض کی۔ مال کی محبت اور حرص و طمع سے پاک کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ۔ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے"۔ (جمع الجوامع حدیث ۹۳۸۲)

بنا۔بریں سالک کو چاہیے کہ مال کی محبت سے کنارہ کش ہو جائے۔ دنیا کی بے ثباتی اور موت کو ہر وقت یاد رکھے۔ بخل کی آفات اور بخیل کی ذلت و رسوائی پر غور کرے۔ سخاوت اور فیاضی کے فوائد پر نظر رکھے۔ اپنے نفس پر جبر کر کے بار بار خرچ کرتا رہے اور سخاوت و انفاق کو اپنی زندگی کا شیوہ بنائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سے بہرہ ور ہو۔

۸۔ حرص:

حرص مال و دولت کی محبت، ہوس اور زر اندوزی کا نام ہے۔ یہ ایک قلبی، نفسیاتی بیماری ہے۔ اگر اس کا علاج قناعت اور ایثار سے نہ کیا جائے تو روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان کا ظاہر و باطن پوری طرح دنیا کی کثافتوں سے آلودہ اور اس کا دل حبِ مال کی تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ مال و دولت کی حرص تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ حبِ دنیا کی ادنی ترین خباثت یہ ہے کہ آدمی اس کے لیے خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ جو لوگ دنیا کی حرص و طمع میں مبتلا ہوں وہ یاد الٰہی سے محروم اور فکرِ آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حرص انسان کو انسان کا محتاج اور ذلیل بنا دیتی ہے۔ یہ اس میں مداہنت، حق سے چشم پوشی اور مجرمانہ ذہنیت پروان چڑھاتی ہے۔ اس کا انجام سوائے حسرت و یاس

Marfat.com
Marfat.com

کچھ نہیں ہوتا۔

بنا۔ بریں سلوک و معرفت کے راستے کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو حبِ مال اور حرصِ دنیا سے آزاد کر لے۔ اور یہی سب سے بڑی دولت مندی ہے کہ انسان کا دل حرص و طمع کی آلائشوں سے پاک ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (طٰهٰ: ۱۳۱)

یعنی آپ حیاتِ دنیا کی ان زینتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لئے دے رکھی ہیں۔

حرص کا علاج یادِ الٰہی، فکرِ آخرت اور صفاتِ عالیہ کی محبت میں ہے۔ زندگی کے فطری اور حقیقی مقاصد سے آگاہی جس قدر بڑھتی ہے اسی قدر دل سے دنیا کی محبت اور فانی لذتوں کی طلب مٹتی جاتی ہے۔ پس جو آدمی حرص و طمع سے نجات حاصل کرنا چاہے اسے لازم ہے کہ سادگی، میانہ روی اور قناعت کو طرزِ زندگی اور ایثار و انفاق کو اپنا شیوہ بنائے۔ اپنے دل کو ہر وقت یادِ الٰہی، فکرِ آخرت اور یادِ موت سے سرشار رکھے۔

حرص را بگزار یاد حق بگو

یاد کن تو یاد کن تو راہ رو

یعنی حرص و طمع چھوڑ دے اور یادِ حق میں مشغول ہو جا اور اسی یادِ حق کے

Marfat.com

ذریعے سلوک و طریقت کی راہ طے کرتا جا۔

۹۔ ریا:

ریا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اعمالِ خیر اور عبادات کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں وقعت، عزت اور قدر و منزلت کا خواہاں ہو۔ یہ مشرکوں اور منافقوں کا طرزِ عمل ہے کہ وہ اپنا ہر عمل دکھاوے اور شہرت و ناموری کے لئے انجام دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

یُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ . (النساء : ۴ ۱۴۲)

یعنی منافق لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ ریا اور دکھاوا شرک اصغر ہے۔
اور جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرماتے گا کیونکہ ریا خواہ جلی و ظاہر ہو یا خفی و نہاں، ہر صورت خدا کی شان میں گستاخی اور موجبِ لعنت ہے۔ بنا۔ بریں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے وجود کو ظاہری و باطنی ریاکاری سے کلیتہ پاک رکھے۔ اپنے تمام اعمال و طاعات میں اخلاص پیدا کرے اور ہر قسم کی نمود و نمائش سے بچاتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اپنی عبادت و اطاعت کو ایسے چھپایا کرو جیسے اپنے عیوب اور مصیبتوں کو چھپاتے ہو"۔ (احیاء العلوم، ج ۳ ص ۳۰۶)
جب تک آدمی اس طرح عبادت نہ کرے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خیال ہی نہ رہے وہ ریا کی مخفی آمیزش سے بچ نہیں سکتا اور جب تک ریا کی ظاہری و مخفی ہر

صورت سے اپنے اعمال کو پاک نہ کر لے، عذاب الٰہی سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ ؎

گر تو داری پاک اعمال از ریا

حق نیندازد ترا اندر جفا

یعنی اگر تم اپنے اعمال کو ریا و دکھاوے سے پاک رکھو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں عذاب میں نہیں ڈالے گا۔

۱۰۔ تکبر:

تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو صفات کمال میں دوسروں پر فوقیت دے۔ یہ بہت بڑی آفت ہے۔ جس انسان میں تکبر ہو وہ نفس امارہ کی اصلاح سے محروم رہتا ہے۔ بُرے اخلاق چھوڑنے پر قادر نہیں ہوتا اور کسی مسلمان کی خیر خواہی نہیں کر سکتا۔ تکبر انکار حق کا موجب بنتا ہے۔ اس سے دنیاوی سعادت اور اخروی نجات کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ متکبر آدمی خدا کے غضب و لعنت کا مستحق ہے۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (النحل: ۲۳)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہ ہو گا"۔

(مسند احمد، ج ۱ ص ۳۹۹، مستدرک حاکم، ج ۱ ص ۲۶)

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۹)

کبریائی حق تعالیٰ کی شان ہے اور بندے کو عجز و انکساری اور تواضع و خاکساری ہی

زیبا ہے۔ لہذا سالک کو چاہیے کہ تکبر و خود پسندی چھوڑ کر عجز اور تواضع کو اپنا شیوہ بنائے۔ اس سے تزکیہ۔ نفس ہو گا اور سلوک و روحانیت کے اعلیٰ مقامات میسر آئیں گے۔ تکبر اتنی بھیانک اور تباہ کن برائی ہے جو لمحوں میں انسان کی تمام عبادتوں، ریاضتوں اور نیکیوں کو غارت کر کے رکھ دیتی ہے۔ ابلیس عزازیل اپنی طاعت و عبادت کی بنا۔ پر ملائکہ کا سردار تھا مگر ایک ہی حکمِ الٰہی سے سرتابی اور تکبر نے اس کے تمام اعمال وعبادات کو اکارت کر دیا اور اسے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہِ حق بنا دیا۔ ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد

بزندان لعنت گرفتار کرد

یعنی تکبر ہی نے شیطان کو خوار و رسوا کیا اور لعنت کے قید خانے میں ہمیشہ کے لئے مقید کر دیا۔

۱۱۔ عُجب:

عجب کا معنی اپنے اعمال پر اترانا اور خود کو دوسرے لوگوں سے برتر جاننا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے گمان میں کامل سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق جانے اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جائے۔ خود پسندی تکبر کی ایک شاخ ہے اور یہ بہت بڑی جہالت اور نادانی ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ تین چیزیں انسان کو نجات دلانے والی اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ پہلی تین چیزیں یہ ہیں: (۱)۔ خدا تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرنا (۲)۔ خوشی و ناخوشی ہر حال میں حق بات کہنا (۳)۔ فقیری اور امیری دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا۔ اور

ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں : (۱)۔ وہ خواہش نفسانی جس کو پورا کر لیا جائے۔ (۲)۔ وہ حرص جس کا انسان غلام بن جاتے اور (۳)۔ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَھِیَ اَشَدُّھُنَّ۔ یعنی آدمی کا اپنے نفس کو پسند کرنا اور اس پر مغرور ہو جانا اور یہ عجب و خود پسندی سب سے زیادہ ہلاک کرنے والی چیز ہے۔

(مجمع الزوائد، ج ۱ صـ ۹۵، کنز العمال، حدیث ۲۳۸۶)

جو شخص عُجب و خود پسندی میں مبتلا ہو وہ اپنے آپ کو نکو کار سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اصلاحِ اعمال اور ترقی ایمان کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔ عبادات کو ضائع کرنے والی آفتوں سے اندھا ہو جاتا ہے اور یوں اس کے عقائد بگڑتے اور اعمال برباد ہوتے جاتے ہیں اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ خود پسندی اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث بنتی ہے۔ غزوۂ حنین میں مسلمان اپنی کثرتِ تعداد پر خوش ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے سرزنش کی اور فرمایا۔ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا

(التوبہ : ۲۵)

یعنی جب تمہاری کثرت نے تمہیں گھمنڈ میں ڈال دیا تو اس (کثرت) نے کسی چیز کو تم سے دفع نہ کیا۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ خود پسندی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔

بناء بریں مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے نفس کو پاک وصاف اور کامل سمجھے۔ اپنی طاعت و عبادت پر اترانے لگے اور دوسروں کو خود سے کمتر جانے۔ یہ تو کافروں کا شیوہ اور شیطان کا وطیرہ ہے۔

Marfat.com

خود ستائی پیشہ شیطاں بود
ہر کہ خود را کم زند مرد آں بود

یعنی اپنے آپ کو سراہنا شیطان کا طریقہ ہے اور آدمی وہ ہے جو خود اپنی بڑائی نہ بیان کرے۔

۱۲۔ غرور:

غرور ایک قسم کی جہالت کا نام ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی فریبِ نفس اور مکرِ شیطانی کے زیر اثر ایک ایسی چیز پر جم جاتے جو ہوائے نفسانی اور خواہشِ طمع کے موافق ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی حقیقت اور خدا کی یاد کو فراموش کر دیتا ہے۔ دنیا طلبی میں مبتلا ہو کر موت اور آخرت سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ اپنے نفس کے لئے ایسی چیزوں کو بہتر سمجھنے لگتا ہے جو فی الواقع اس کے لئے نقصان دہ اور تباہ کن ہوتی ہیں اور یہ سب کچھ شیطانی وساوس اور فریبِ نفس کا اثر ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (الحدید: ۲۳)

پس اس سالک کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ تواضع اور انکساری کی روش اپنائے اور غرور و پندار کی ہر صورت سے بچے۔ یہ اکثر اخلاقی عیوب اور اوصافِ ذمیمہ کا سرچشمہ ہے۔

ترک عُجب و کبر کن تا قبلۂ عالم شوی
سیرت ابلیس را بگزار تا آدم شوی

یعنی غرور و خود پسندی چھوڑ دے تاکہ دنیا میں معزز ہو جائے۔ شیطانی طرزِ عمل سے اجتناب کر تاکہ آدمی بن جائے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com
Marfat.com

بابِ چہارم

فصل اول:

ارکانِ طریقت

بارہ کلماتِ قدسیہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بارہ کلمات قدسیہ ایسے ہیں جو کتب سماوی تورات، زبور، انجیل اور فرقان سے منتخب کیے گئے ہیں۔ ان سے توحید باری تعالیٰ کا تصور، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کی نسبتِ عبدیت اور ایمان کی حقیقت اجاگر ہوتی ہے۔ پس جو مومن ان کلمات ربانیہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے، ہر روز ان میں غور و فکر کرے اور ان پر عمل پیرا ہو وہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں سے ہو جاتے گا۔ وہ بارہ کلمات طیبہ درج ذیل ہیں:۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ اے آدم کے بیٹے! جب تک میری سلطنت قائم ہے کسی بادشاہ اور ظالم امیر سے مت ڈر۔ اور میری سلطنت تو ہمیشہ کے لئے ہے۔

۲۔ اے فرزند آدم! میں یقیناً تجھے دوست رکھتا ہوں تو بھی مجھے دوست بنالے اور میری محبت و عشق سے کبھی خالی نہ ہو۔

۳۔ اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پاتے کسی اور سے محبت نہ کر۔ کسی سے کچھ مت مانگ۔ اور مجھے تو تُو جب چاہے گا پالے گا۔

۴۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تمام چیزیں تیرے لئے پیدا کی ہیں اور تجھے صرف اپنے لئے بنایا ہے، سو تو اپنے آپ کو دوسروں کے دروازے پر ذلیل مت کر۔

۵۔ خداوند کریم فرماتا ہے: اے فرزند آدم! روزی کا فکر نہ کر جب تک میرا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ اور میرا خزانہ کبھی خالی نہ ہو گا۔

۶۔ اے ابن آدم! جس طرح میں سات آسمانوں اور سات زمینوں، عرش و کرسی اور کل مخلوقات کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا اسی طرح تجھے روزی پہنچانے سے عاجز نہیں ہوں گا۔ پس تو میرے سوا کسی سے روزی طلب نہ کر۔

۷۔ اے فرزند آدم! جس قدر میں نے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر راضی رہ تاکہ آرام پائے۔ نفس کی خواہشوں اور شیطان کے وسوسوں میں دل کو مت الجھا۔

۸۔ اے آدم کے بیٹے! جس طرح میں تجھ سے آنیوالے دن کی عبادت کا مطالبہ نہیں کرتا اسی طرح تو بھی مجھ سے آئندہ کل کی روزی آج نہ مانگ۔

۹۔ اے ابن آدم! جس طرح میں تیرا رزق بند نہیں کرتا اسی طرح تو میری عبادت میں کوتاہی اور میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کر۔

۱۰۔ اے فرزند آدم! تو اپنے نفس کے لئے مجھ سے ناراض ہوتا ہے لیکن میری خاطر اپنے نفس کو ناراض نہیں کرتا۔

۱۱۔ اے آدم کے بیٹے! اس وقت تک میری ناراضگی سے بے خوف نہ ہو جب تک تو پل صراط سے گزر کر بہشت میں داخل نہ ہو جائے۔

Marfat.com

۱۱۔ اے ابن آدم! تو اپنے آپ کو میری رحمت اور بخشش سے کبھی ناامید نہ کرنا۔ میری رحمت بہت وسیع اور تمام گناہ گاروں کو محیط ہے۔

پس اے برادران طریقت! اگر تم اللہ کے مخلص اور پرہیز گار بندے بننا چاہتے ہو تو ان بارہ کلمات پر ثابت قدم رہو۔ اللہ کریم کو سب سے زیادہ قدرت والا جانو اور اس پر کامل بھروسہ رکھو تاکہ اس کی امداد سے تمہارا کام بن جائے۔ ؎

اے پسر پند و نصیحت گوش کن

از ہمہ مذکور بالا ہوش کن

یعنی اے بیٹے! ہماری نصیحت خوب غور سے سنو اور جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس کی طرف خوب توجہ دو۔

ستره حروف:

صاحب طریقت پر لازم ہے کہ مذکورہ بالا کلمات مقدسہ کی طرح سترہ حروف پر بھی عمل پیرا ہو جن سے ارکان طریقت کی نشان دہی ہوتی ہے۔ وہ سترہ حروف درج ذیل ہیں۔

○ص د ق = ان سے مراد صدق ہے۔

○ت و ک ل = یہ توکل سے تعبیر ہیں۔

○ی ق ی ن = ان سے یقین بنتا ہے۔

○ص ب ر = یہ صبر کے غماز ہیں۔

○ع ز م = ان سے عزم ابھرتا ہے۔

پس طالب صادق کو چاہیے کہ ان مذکورہ حروف کو ہمیشہ اپنی نگاہ میں رکھے اور ان سے جن اصولوں کی نشاندہی ہوتی ہے ان پر کاربند رہے۔ ذیل میں ان اصول وشرائط کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

☆ صدق کا مطلب یہ ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ کو صدق اور یقین سے یاد کرے اور ظاہر وباطن ہر حال اور ہر وقت میں صادق ہو جائے۔ ہر عمل کی عنداللہ قبولیت کیلئے صدق اساسی شرط ہے۔

☆ توکل سے مراد یہ ہے کہ اپنا ظاہر وباطن اللہ کریم کے سپرد اور حوالے کر دے۔ رزق، تنگی، عزت وذلت، خوشی وغم، صحت وبیماری سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے اور کسی قسم کا گلہ ہرگز نہ کرے۔ نیز دونوں جہانوں کی مرادوں میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرے۔

☆ یقین سے مراد یہ ہے کہ سالک اس بات پر پختہ ایمان رکھے کہ مجھے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور ضرر اور تکلیف دینے والا نہیں ہے۔

☆ صبر سے مراد یہ ہے کہ ہر مصیبت اور ہر تکلیف میں صابر وشاکر ہو جائے۔ ظاہر و باطن میں بالکل نہ گھبرائے۔ جو کچھ خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے حاصل ہو اس پر قناعت کرے اور اس سے زیادہ کی خواہش وطلب نہ کرے۔

☆ عزم سے مراد یہ کہ سالک ہر کام میں حسنِ نیت، عزم مصمم اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے قدم اس طرح پختہ ارادہ اور مضبوطی سے جمالے کہ جان چلی جائے مگر

جادۂ روحانیت اور یادالٰہی سے ہرگز غافل نہ ہو۔

☆ ذکر سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن رہے۔ کسی بھی وقت غافل نہ ہونے پائے۔

☆ شکر سے مراد یہ ہے کہ انعامات الٰہی کا ہر وقت سپاس گزار رہے اور اپنے مرشد کی طرف سے جن اوراد و وظائف کی اجازت حاصل ہو انہیں تلقین کے مطابق پورا کرتا رہے۔ مرشد کے فرمان سے ہرگز تجاوز نہ کرے۔ اس کی تلقین سے ہٹ کر کوئی عمل کرے نہ کسی وظیفے کو اپنا ورد بنائے۔

الغرض یہ سترہ حروف دراصل طریقت کے ارکان و شرائط کی عکاسی کرتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہونا ہر سالک کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ؎

ہفت و دہ حرف است اے روشن ضمیر
تا توانی ایں حروف کامل بگیر

کن عمل برایں حروف گر عاقلی
دور کن از جسم شجرِ غافلی

یعنی اے روشن ضمیر انسان! جہاں تک ہو سکے ان سترہ حروف کو پوری طرح حرزِ جان بنالو۔ اگر تم عقل مند ہو تو ان حروف پر مکمل طور پر عمل کرو۔ اپنے وجود سے شجر غفلت کو دور کر دو۔

تین حروف:

ان سترہ حروف کے برعکس تین حروف ایسے ہیں جن سے اجتناب کرنا ہر سالک

کے لئے ضروری ہے۔ وہ حروف یہ ہیں:۔ ط م ع: ان کا مجموعہ طمع ہے جو کہ تمام اخلاقی اور نفسی برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ لہذا طالب کو چاہیے کہ حرص و طمع چھوڑ دے اور اس سے بالکل کنارہ کشی کرے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل واعتماد کرے۔ اپنا ظاہر و باطن سب کچھ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ ؎

طمع راسہ حرف است اے مرد حکیم
ترک کن ایں را تو باشی سلیم

زانکہ ایں خالی است برایں نکتہ نیست
آنکہ لا مقصود ایں بے بہرہ ایست

یعنی اے خواہشمند آدمی! اگر تم طمع کو چھوڑ دو تو ذوق سلیم کے مالک بن جاؤ گے کیونکہ لفظ طمع کے تین حروف ہیں اور سبھی نقطہ سے خالی ہیں۔ اس لئے جس شخص نے حرص و طمع کو اپنا مقصود بنالیا وہ بھی محروم و بے نصیب ہی رہے گا۔

وصایا حضرت خواجہ غجدوانیؒ:

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ نے اپنے خلیفہ و فرزند گرامی خواجہ اولیاء کبیر رحمۃ اللہ علیہ کو چند معاشرتی، اخلاقی اور روحانی وصایا مبارکہ سے خورسند فرمایا۔ احکام شریعت کی تعلیم اور آداب طریقت کی تلقین پر مشتمل یہ بیش بہا وصیت نامہ جو سالکانِ بارگاہ حق کے لئے دلیلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اے فرزند ارجمند! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ:

Marfat.com
Marfat.com

- علم وادب اور تقویٰ و پارسائی کو اپنا شعار بنانا۔
- سنت و جماعت کی پیروی اپنے اوپر لازم رکھنا۔
- اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی ہمیشہ پابندی کرتے رہنا۔
- نماز باجماعت اور وظائف و عبادات کی مداومت رکھنا۔
- قرآن کریم کی تلاوت فکر و تدبر اور حزن و گریہ سے کرنا۔
- طلب علم سے ایک قدم نہ ہٹنا۔ حدیث اور فقہ پڑھنا اور پڑھانا۔
- والدین اور مشائخ کرام کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔
- عوام الناس اور جاہل صوفیوں سے کنارہ کش رہنا۔
- اپنے احوال کی نگرانی کرتے رہنا اور شہرت سے پناہ مانگنا۔
- کسی قسم کی ریاست واقتدار کا خواہاں نہ ہونا۔
- حکمرانوں اور امیروں کی مجلس و رفاقت سے بچنا۔
- وصیت ناموں اور دستاویزات پر اپنا نام نہ لکھنا۔
- اپنے آپ کو شیخ نہ کہلوانا اور سماع نہ سننا۔
- کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور کم ہنسنا۔
- کم عمر لڑکوں اور عورتوں کی صحبت سے احتراز کرنا۔
- دنیا کی محبت اور طلب و تلاش سے گریز کرنا۔
- حلال کا التزام رکھنا اور حرام سے پرہیز کرنا۔

Marfat.com
Marfat.com

- لوگوں سے حسن وسلوک اور خدمت و ہمدردی کو اپنا شیوہ بنانا۔
- مشائخ کو اپنی جان سے عزیز رکھنا اور کسی معاملے میں ان پر اعتراض نہ کرنا۔
- تہذیبِ نفس کی خاطر سفر بہت اختیار کرنا۔
- کسی کی مدح سرائی سے مغرور اور مذمت کرنے سے غمگین نہ ہونا۔
- فقر میں پاکیزہ، سبکبار اور دیانت دار رہنا۔
- اپنی ظاہری حالت کی آراستگی و پیراستگی میں مت لگنا۔
- بارگاہِ الٰہی میں خوف ورجا کے درمیان زندگی بسر کرنا۔
- خدا پر توکل کرنا اور مخلوق سے بے نیاز رہنا۔
- بخل اور حسد و عداوت سے دور رہنا۔
- ہر حال میں ادب ولحاظ کا پابند رہنا۔
- ہمیشہ سچائی پر کاربند رہنا اور کسی سے مت ڈرنا۔
- چاہیے کہ تیرا بدن لاغر، آنکھیں گریاں اور دل غم ناک ہو۔
- تیرا لباس پرانا، تیرا ساتھی درویش اور تیرا گھر مسجد ہو۔
- تیرا اثاثہ دینی کتب، تیری آرائش ترکِ دنیا اور تیرا سرمایہ عبادت ہو۔
- عمل تیرا خالص، دعا تیری عجز و تضرع اور زہد تیرا مجاہدہ ہو۔
- تیرا ذہن متفکر، دل ذاکر اور زبان شاکر ہو۔

Marfat.com

○ ذکر تیرا مونس، فکر تیرا یاور اور رب قدوس تیرا مونس ہو۔

○ حتی المقدور خواجگان نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقہ عالیہ پر ثابت قدم رہنا"۔

☆ ☆ ☆

فصل دوم:

اشغالِ طریقت

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں طریقت کے اشغال و اعمال اور وصول الی اللہ کے طریقے چار ہیں: ایک شیخِ کامل کی صحبت و معیت، دوسرے رابطہ و محبت، تیسرے اتباعِ سنت و پیروی شریعت اور چوتھے اوراد و وظائف اور مراقبات۔ سلوک و طریقت کے ان ارکان پر اپنی اپنی جگہ گفتگو کی گئی ہے۔ یہاں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی رو سے اوراد و وظائف اور روزانہ معمولات پر بالاختصار روشنی ڈالی جاتی ہے:-

نماز تہجد:-

سالک کو چاہیے کہ سحر کے وقت نماز تہجد کی ادائیگی اپنا معمول بنالے کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام نفل نمازوں میں سب سے افضل اور پسندیدہ نماز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلَاةُ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ.

(مسلم، کتاب الصوم، نسائی، ج ۲ ص ۲۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۹)

یعنی فرض نماز کے بعد سب سے افضل و بہتر نصف شب کی نماز (تہجد) ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ رات کی نماز کو دن کی نماز پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے پوشیدہ صدقہ دینے کو

اعلانیہ خیرات دینے پر۔ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رات کی ایک رکعت نماز دن کی دس رکعتوں (نوافل) سے افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ رات کی تنہائیوں میں ادا کی جانے والی نماز اخلاص سے زیادہ قریب اور ریا سے دور تر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

وَمِنَ ٱلَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِۦ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا

یعنی رات کے کچھ حصے میں تہجد ادا کیجئے۔ یہ خاص آپ کے لئے زائد (عبادت) ہے۔ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے۔

شروع میں نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض کی گئی تھی۔ پھر نماز پنجگانہ کی فرضیت کے بعد اسے نفل کا درجہ دے دیا گیا لیکن اس کی فضیلت اور اہمیت اس قدر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ، وَهُوَ قُرْبَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ.

(کنز العمال حدیث ۲۱۴۲۹)

یعنی رات کے قیام (تہجد) کو اپنے اوپر لازم کر لو کہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے اور یہ تمہارے لئے قربِ الٰہی کا ذریعہ، گناہوں کا کفارہ اور برائیوں سے رکاوٹ ہے۔

تہجد سحری کے وقت ادا کی جاتی ہے اور یہ وہ مبارک وقت ہے جب اللہ کریم ہر رات آسمان دنیا پر خصوصی تجلی فرماتے اور تمام روئے زمین پر نظرِ رحمت ڈال کر ارشاد فرماتے ہیں: "اے اولادِ آدم! تم میں سے کوئی حاجت مند ہے تو اٹھ کر مجھ سے اپنی حاجت طلب کرے کہ میں سب کی مرادیں پوری کرنے والا اور رحمت فرمانے والا ہوں"۔
(مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۳، التمہید لابن عبدالبر، ج ۴ ص ۱۵)

اب ایسے وقت میں جو شخص نرم بستر چھوڑ کر اٹھتا اور اہتمام سے وضو کر کے نمازِ تہجد ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خاص لطف و کرم سے نوازتا اور قربِ محبت سے سرفراز فرماتا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

"رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جو بھی مسلمان اس میں اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرماتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں ہوتی ہے۔"

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ

(کنز العمال، ص ۱۹۶۰۲، الترغیب، ج ۱ ص ۴۲۴)

یعنی پچھلی رات میں بندہ اپنے پروردگار سے بہت قریب ہوتا ہے۔ پس تو اگر طاقت رکھتا ہے تو ان لوگوں کے زمرے میں داخل ہونے کی کوشش کر جو اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

چہ خوش ملکے است ملک سحر گاہی

دراں کشور بیابی ہر چہ خواہی

یعنی کتنی اچھی بادشاہی ہے سحر کے وقت کی بادشاہی کہ اس ولایت اور بادشاہی میں تم منہ مانگی مراد پاؤ گے۔

خوشا بادِ نسیم صبحگاہی

کہ دردِ شب نشیناں را دوا کرد

یعنی کتنی اچھی ہے صبح کے وقت کی ہوا جو شب بیدار لوگوں کے دکھ درد کا علاج کرتی ہے۔

سحر گاہے بیا دربار باری

بہ مطلوبے بہ مقصودے کہ داری

یعنی سحر کے وقت دربارِ الٰہی میں اپنے تمام مقاصد اور تمنائیں پیش کرو۔

بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو دو فرشتے ہر شخص کے پاس نور کا بھرا ہوا ایک طشت لے کر آتے ہیں اور سوئے ہوئے آدمی کے سرہانے پکارتے ہیں۔ اے اللہ کے بندے! اٹھ جاگ ہم تیرے لئے ایک تحفہ لائے ہیں اس کو سنبھال لے۔ اب پر جو آدمی اٹھ کر وضو کرتا اور نماز تہجد ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے فرشتے اس کے جسم پر نور کا وہ طشت ڈال کر واپس ہو جاتے ہیں۔ بزرگ کہتے ہیں کہ شب زندہ دار آدمی کے چہرے پر جو رونق اور شادابی ہوتی ہے وہ اسی نور کا

ثمر ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ:

مَنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ فِى اللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ فِى النَّهَارِ۔

(ابن ماجہ حدیث ۱۳۲۷)

یعنی جو شخص رات کو کثرت سے عبادت کرے۔ دن بھر اس کا چہرہ نور جمال سے آراستہ ہو گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کیا وجہ ہے کہ تہجد گزاروں کے چہرے خوبصورت لگتے ہیں؟ فرمایا: وہ تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور کا لباس پہناتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جو بندہ عبادت شبانہ میں مصروف رہتا ہے اس کا دل انوار و تجلیات سے معمور ہوتا ہے۔ یہ انوار اس کے دن کے تمام حصوں پر چھا جاتے ہیں۔ اس کا دن اس کی رات کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ دن کے وقت اس کے تمام افعال و حرکات اس منبع انوار سے صادر ہوتے ہیں جو رات میں مجتمع ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کا چہرہ دن بھر روشن رہتا ہے"۔ (عوارف المعارف ص ۵۱۹)

نماز تہجد ایک عجیب اکسیر عبادت ہے۔ بندہ جب رات کی تنہائی میں اپنے رب کی عبادت اور مناجات میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے سینے میں محبت الٰہی کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ دل سوز و گداز اور نور و سرور سے معمور ہو جاتا ہے۔ نفس تزکیہ، دل تصفیہ اور روح تسکین پاتی ہے۔ انسان کا رُواں رُواں ذوق و شوق کی تصویر بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں گریہ و زاری شروع ہو جاتی ہے۔ ؎

ہر کہ شب خیز است سوزندہ بود
خون اشک از دیدہ ریزندہ بود

یعنی شب بیدار آدمی کا دل سوز و گداز سے بھرا ہوتا ہے اور خون کے آنسو اس کی آنکھوں سے رواں ہوتے ہیں۔

بنا بریں جملہ اہل اسلام اور بالخصوص سالکان طریقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ شب بیداری اور تہجد گزاری کے ذریعہ درجہ کمال حاصل کریں کیونکہ تہجد کے بغیر صالحیت اور کمال میسر نہیں آسکتا۔ چنانچہ حدیث پاک:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَابُ الصَّالِحِيْنَ۔

کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

فِيْهِ إِيْمَاءٌ إِلَى أَنَّ مَنْ لَا يَقُوْمُ اللَّيْلَ لَيْسَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ الْكَامِلِيْنَ۔

(مرقاۃ المفاتیح: ج ۲ ص ۱۴۸)

یعنی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو شخص رات کو عبادت نہیں کرتا وہ صالحین کاملین میں سے نہیں ہے۔

پس جو شخص صالحیت و کمال اور قرب و رضائے حق کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ نماز تہجد اپنے اوپر لازم کرلے کیونکہ شب خیز اور شب بیدار آدمی اللہ تعالیٰ کا دوست بن جاتا ہے۔ ؎

ہر کہ شب خیز است دلبر یار اوست

ترس نے دوزخ، نہ جنت کار اوست

ہر کہ شب خیز است خنداں می رود

سوئے جنت اش کشاں دربار اوست

یعنی جو کوئی شب بیداری کا خوگر ہے محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) اس کا دوست ہے۔ ایسے شخص کو دوزخ کا خوف ہوتا ہے نہ جنت کا شوق بلکہ وہ تو رضائے الٰہی کا طالب و خواہاں ہوتا ہے۔ اور جو شخص شب زندہ دار رہتا ہے وہ مسکراتا ہوا جنت میں داخل ہو گا کہ وہی اس کا مقام ہے۔

اوراد و اذکار:-

سالک کو چاہیے کہ نماز تہجد کے بعد اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق نفی اثبات ذکر کرے، ختمات شریفہ پڑھے یا دیگر اعمال حسب تلقین بجالائے۔ سحر کا وقت انتہائی پر سکون، خالص اور بلا وسوسہ ہوتا ہے۔ اس لئے اذکار و اوراد، دعا و مناجات اور ختمات شریفہ سے دل میں بے پناہ کیف و سرور اور از حد لذت ہوتی ہے۔ بہر حال طالب کے لئے ضروری ہے کہ نماز تہجد کے بعد فجر کی سنتوں تک ذکر ہی میں مشغول رہے۔ اگر فجر کی سنتیں اسی جگہ پڑھی جائیں جہاں تہجد ادا کی گئی تو یہ بہتر ہے۔ عموماً نوافل تہجد اور فجر کی سنتیں اپنے گھر ہی میں ادا کرنی چاہئیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:- "اپنے گھروں کو مردہ نہ بناؤ بلکہ ذکر اور نفل عبادت سے زندہ رکھو"

(مسلم: باب صلوٰۃ المسافرین، مسند احمد، ج ۲ ص

اگر مسجد دور ہو تو مجبوراً تمام نمازیں گھر میں ادا کرنا پڑیں گی لیکن اگر مسجد قریب ہو تو فرض نماز مسجد کے سوا اور کہیں ادا نہ کرے کیونکہ مسجد میں ادا کی جانے والی نماز باہر پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں ستائیں (۲۷) درجے فضیلت رکھتی ہے۔

سالک کو چاہیے کہ نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک وہیں بیٹھا اپنے مرشد کے بتائے ہوئے اعمال انجام دیتا رہے اور بغیر شدید ضرورت کوئی دنیاوی کلام نہ کرے بلکہ مراقب رہے کیونکہ اس وقت گفتگو بند رکھنا بہت مؤثر ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد نماز اشراق ادا کرے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اشراق کی نماز پڑھنے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ نوافل اشراق پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں مگر ہمارے مشائخ عظام کی تلقین یہ ہے کہ چار رکعت نفل دو، دو کر کے ادا کرے اور ہر رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص پڑھے۔ اگر اس وقت تازہ وضو کیا ہو تو دو رکعت تحیۃ الوضو بھی ادا کرے۔ اس طرح کل چھ رکعات ہو جائیں گی۔ اگر کسی رات نوافل تہجد ادا نہ کر سکے تو صبح اشراق کے بعد تہجد کی قضا کرے کیونکہ نماز تہجد کبھی بالکل فوت نہیں ہونی چاہیے۔

نماز اشراق کے بعد پچیس ہزار مرتبہ ذکر اسم ذات مکمل کرے، خواہ وضو ہو یا نہ ہو کیونکہ اس خفی اور طویل ذکر کے لیے وضو شرط نہیں ہے۔ لیکن ذکر بہر حال پورا کرے کہ وصول الی اللہ یعنی بارگاہ الٰہی تک رسائی کثرتِ ذکر ہی پر موقوف ہے۔

نماز ظہر اپنے اول وقت میں ادا کرے اور نماز کے بعد دلائل الخیرات کا وظیفہ پڑھے اور قرآن حکیم کی تلاوت کرے۔ بعض مشائخ یہ وظائف فجر کے وقت پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن ہمارے بزرگوں سے ان وظائف کا بعد نماز ظہر پڑھنا ہی زیادہ ثابت ہے۔ پھر نماز عصر ادا کرے۔ اگر نماز عصر کے بعد وقت میں گنجائش کافی ہو اور کچھ

Marfat.com

وظائف واوراد باقی ہوں تو ان کو پورا کرے یا ختم شریف پڑھے ورنہ غروب آفتاب تک مراقبہ کرے اور دنیاوی گفتگو بالکل نہ کرے کہ اس دوران بزرگان عظام بات چیت بند رکھنے کی بہت تاکید فرماتے ہیں۔

غروب آفتاب کے ساتھ نماز مغرب ادا کرے اور اس کے بعد چھ رکعات نفل اوابین اس طرح بجالائے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین بار پڑھے۔ یہ نماز بہت مؤثر اور حصول خیروبرکت کا ذریعہ ہے۔

صلوٰۃ التسبیح:

صلوٰۃ التسبیح نوافل میں سے بہت اہم نماز ہے۔ اس کی فضیلت متعدد صحیح اور مستند احادیث سے ثابت ہے۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

اَصَحُّ شَیۡءٍ وَرَدَ فِیۡ فَضَائِلِ الصَّلٰوتِ
فَضۡلُ صَلٰوۃِ التَّسۡبِیۡحِ

یعنی نفل نمازوں کے فضائل میں صحیح ترین روایات وہ ہیں جو صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت میں وارد ہوتی ہیں۔

چنانچہ امام ترمذی، ابو داؤد اور امام نسائی نے اپنی صحاح میں یہ احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح امام حاکم، ابن راہویہ، ابن حبان، عبدالرزاق اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہیں۔ نیز علامہ بیہقی، طبرانی، سمعانی، خطیب بغدادی اور علامہ سیوطی نے بھی یہ روایات نقل کی ہیں۔ اکابر علماء، محدثین، اور محققین نے ان احادیث کو بالکل مستند، صحیح اور

Marfat.com

حسن قرار دیا ہے۔

نماز تسبیح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھائی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عم محترم! کیا میں آپ کو ایک ایسا عطیہ دوں جس (کو بجالانے) سے اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے، پچھلے، نئے، پرانے، بالارادہ، بلاارادہ، صغیرہ، کبیرہ، ظاہر اور پوشیدہ ہر قسم کے گناہ معاف فرمادے گا۔ وہ عطیہ صلوٰۃ التسبیح ہے۔ آپ ہر روز نماز تسبیح پڑھا کریں۔ اگر روزانہ ممکن نہ ہو تو ہفتہ میں ایک بار پڑھ لیا کریں۔ اگر اس کا موقع نہ ملے تو مہینہ میں ایک بار اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سال میں ایک بار اہتمام کر لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ ضرور ادا کر لیا کریں۔

نماز تسبیح کی چار رکعتیں ہوتی ہیں۔ اگر دن میں ادا کرے تو چاروں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھے اور اگر رات کو پڑھنا چاہے تو دو، دو رکعتیں کر کے ادا کرے۔ نماز تسبیح کی ہر رکعت میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ کلمۂ تمجید پڑھا جائے جو کہ یہ ہے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

اس کلمہ کے پڑھنے کی ترتیب یہ ہے۔

تکبیر اولیٰ کے بعد ثناء پڑھ کر	۱۵ دفعہ
تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورہ پڑھ کر	۱۰ دفعہ
رکوع میں تسبیح رکوع کے بعد	۱۰ بار
رکوع سے اٹھ کر قومہ میں تحمید کے بعد	۱۰ دفعہ

سجدہ کی حالت میں تسبیح کے بعد ۱۰ مرتبہ

سجدہ سے سر اٹھا کر جلسہ میں ۱۰ بار

دوسرے سجدہ میں تسبیح کے بعد ۱۰ دفعہ

یوں ایک رکعت میں ۷۵ بار کلمہ تمجید پڑھا جائے، اور اسی ترتیب کے ساتھ ہر رکعت ادا کی جائے۔ اس طرح چاروں رکعات میں کل تین سو بار کلمۂ تمجید پڑھا جائے گا۔ صلوٰۃ التسبیح کا یہی طریقہ احناف کے ہاں پسندیدہ ہے اور اسی کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ کلمات کی تعداد زبان سے نہ گنے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس طرح انگلیوں کو بند کر کے گننا مکروہ ہے۔ انگلیاں اپنی جگہ پر رہنی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص کسی رکن کی تسبیح پڑھنا بھول گیا تو دوسرے رکن میں اس کو پڑھ لے۔ مثلاً رکوع میں بھول گیا تو سجدہ میں پورا کر لے۔ قومہ اور جلسہ میں بھولی ہوئی تعداد پوری نہ کرے کیونکہ یہ رکن نہیں ہیں۔ اس طرح پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد بھی بیٹھ کر نہ پڑھے بلکہ اگلے رکن میں پوری کرے۔ اگر سجدہ سہو لازم آ جائے تو ان سجدوں میں تسبیح نہ پڑھے ورنہ تعداد بڑھ جائے گی۔

صلوٰۃ التسبیح کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اوقات مکروہہ کے سوا جب چاہے ادا کرے۔ تاہم اگر روزانہ کا معمول ہو تو بہتر ہے کہ اشراق کے بعد پڑھے ہفتے میں ایک بار پڑھے تو جمعہ کے دن زوال کے بعد، مہینہ میں پڑھے تو پہلی جمعرات اور اگر سال کے بعد ادا کرے تو عاشورہ کا روز بہتر ہے۔ بہرحال صلوٰۃ التسبیح بہت متبرک اور ملکوتی نماز ہے۔ اس کے فضائل بے پناہ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

نماز تسبیح سکھا کر فرمایا کہ اگر تمہارے گناہ تمام زمین والوں سے زیادہ اور کف سمندر کے برابر ہوں گے تب بھی اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے معاف فرمادے گا۔

کلام:

صاحب طریقت کے لئے ضروری ہے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ذکر و فکر، تسبیح و تلاوت اور عبادت و ریاضت میں صرف کرے۔ خوراک، نیند، لوگوں سے میل جول اور بات چیت میں اعتدال قائم رکھے۔ بلاضرورت گفتگو اور کثرتِ کلام سے اجتناب کرے۔ زیادہ بولنے سے انسان پر غفلت طاری ہوتی اور دل مردہ ہو جاتا ہے۔ بسیار گوئی ایک لحاظ سے ذہنی فتور اور لاابالی پن کی علامت ہے۔ اس لئے سالک کو اس سے شدید احتراز کرنا چاہیئے۔؎

ہر کرا گفتار بسیارش بود
دل درون سینہ بیمارش بود

یعنی ہر وہ شخص جو بہت زیادہ باتیں کرنے کا عادی ہو اس کے سینے میں بیمار دل ہوتا ہے۔

ایک اور شعر میں بسیار گوئی کو جسمانی مرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔؎

گفتن بسیار مرض است دربدن
گرچہ گفتارش بود دُر عدن

یعنی کثرت کلام جسمانی بیماری کی علامت ہے۔ خواہ باتیں عدن کے موتیوں کی طرح ہی کیوں نہ ہوں۔

طعام:-

سالک کو کثرت کلام کی طرح کثرت طعام سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ پیٹ بھر کر کھانے سے طبیعت بوجھل، جسم کاہل اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ بجا فرماتے ہیں۔ ؎

تا گلو پر مشو کہ دیگ نہ۔

آب چنداں مخور کہ ریگ نہ۔

یعنی گلے تک پیٹ کو نہ بھرو کہ انسان ہو دیگ نہیں اور پانی بہت نہ پیو کہ ریت تو نہیں ہو۔

کھانے پینے میں افراط اگر ناپسند ہے تو تفریط بھی درست نہیں۔ بعض سالکان طریقت تو کھانا بالکل چھوڑ دیتے یا بہت کم کھاتے ہیں اور نتیجتہً کمزور ہو جاتے ہیں جبکہ بعض عمدہ، نفیس اور مقوی غذا سے نفرت کرتے اور کہتے ہیں کہ اس سے نفس کی سرکشی میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس معاملے میں صحیح بات یہ ہے کہ مقوی غذا سے نفس میں طاقت تو ضرور پیدا ہوتی ہے مگر یادالٰہی، وظیفہ اسم ذات اور شب بیداری نفس کو مطیع و منقاد بنا دیتے ہیں۔ مقوی غذا سے دماغ کو توانائی ملتی ہے اور انسان یاد مولیٰ میں ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع واقسام کی جو خوراک پیدا کی ہے وہ اپنے بندوں کی غذا ہی کے لئے بنائی ہے۔

پس بندے کو چاہیئے کہ حسب استطاعت عمدہ اور مقوی غذا کھائے اور یاد حق میں مشغول ہو جائے۔ جو کچھ اسے میسر آئے اس پر خدا کا شکر ادا کرے اور شکر کی بہترین

صورت یہی ہے کہ بندہ ہردم ذکر الٰہی اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ اس کی زندگی محبت خدا اور اتباع مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقع بن جائے۔ عمدہ اور نفیس خوراک روحانیت کے منافی نہیں۔ البتہ بسیار خوری انسان کے لئے جسمانی اور روحانی ہردو اعتبار سے مضر ہے۔ لہذا سالک حسبِ توفیق عمدہ غذا تو کھائے مگر اس قدر پیٹ بھر کر نہ کر کھائے کہ جسمانی تکلیف یا روحانی فتور لاحق ہو جائے۔ قدرے بھوک رکھ کر دستر خوان سے اٹھ جائے اور عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ بقول شاعر ؎

دلم با حضوری شکم پر طعام

کہ این است معراج عاشق مدام

یعنی دل حضوری میں اور معدہ خوراک سے توانا ہو۔ یہی عاشق صادق کی دائمی معراج ہے۔

تاہم اتنا کم بھی نہ کھائے کہ جسم میں نقاہت اور ذہن میں کمزوری پیدا ہو جائے اور سالک عبادت و ریاضت میں دشواری محسوس کرے۔ یاد الٰہی انسان کا مقصد اصلی ہے اور غذا اس مقصد کے لئے معاون اور توانائی بخش ہے۔ ؎

دلے پر ز خطرہ شکم بے طعام

ریاضت بناموس کفر است عام

لباس:-

جادۂ روحانیت پر گامزن سالک کے لئے طعام و کلام کی طرح لباس میں بھی اعتدال اور سادگی قائم رکھنا ضروری ہے۔ اسے چاہیئے کہ ہر قسم کی آرائش وزیبائش اور

نمود و نمائش سے اجتناب کرے۔ بہت قیمتی اور باریک کپڑا نہ پہنے تاکہ فخر و غرور اور عُجب و خود پسندی میں مبتلا نہ ہو۔ بعض صوفیاء کرام کا قول ہے کہ لباس جس قدر موٹا اور سادہ ہو گا ایمان اسی قدر مضبوط اور راسخ ہو گا۔ تاہم یہ معاملہ دل کی حالت کا ہے۔ اگر دل فخر و غرور سے پاک اور عجز و تواضع کا پیکر ہو تو عمدہ اور نفیس پوشاک زیب تن کی جا سکتی ہے۔ اپنے جسم کو پاکیزہ اور باوقار لباس سے آراستہ کر کے یاد خدا میں مشغول ہو جانا تو بلا شبہ پسندیدہ عمل ہے۔

فصلِ سوم

ختماتِ شریفہ

ختم شریف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

درود شریف صَلوٰۃً تُنَجِّیْنَا ۳۱۳ بار

" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلوٰۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ "

ختم شریف خواجگان نقشبندیہ رحمہم اللہ

سُورۂ فاتحہ مع بِسمِ اللہ ۷ بار

درُود شریف ۱۰۰ بار

سُورۂ الَمْ نَشْرَحْ مع بسم اللہ ۷۹ بار

سُورَۂ اخلاص مع بسم اللہ	۱۰۰۱ بار
سُورَۂ فَاتحہ مع بِسۡمِ اللہِ	۷ بار
درُود شریف	۱۰۰ بار
یَا قَاضِیَ الۡحَاجَاتِ	۱۰۰ بار
یَا کَافِیَ الۡمُھِمَّاتِ	۱۰۰ بار
یَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ	۱۰۰ بار
یَا حَلَّ الۡمُشۡکِلَاتِ	۱۰۰ بار
یَا دَافِعَ الۡبَلِیَّاتِ	۱۰۰ بار
یَا شَافِیَ الۡاَمۡرَاضِ	۱۰۰ بار
یَا مُسَبِّبَ الۡاَسۡبَابِ	۱۰۰ بار
یَا مُجِیۡبَ الدَّعۡوَاتِ	۱۰۰ بار
یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ	۱۰۰ بار

ختم شریف پیرپیراں غوث الاعظم قدس سرہٗ بغداد شریف

درُود پاک	۱۰۰ بار
حَسۡبُنَا اللہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ	۵۰۰ بار

درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف خواجہ خواجگان شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

درود شریف ۱۰۰ بار

یَا خَفِیَّ اللُّطْفِ اَدْرِکْنِیْ بِلُطْفِکَ الْخَفِیِّ ۵۰۰ بار

درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف

درود شریف ۱۰۰ بار

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۵۰۰ بار

پھر درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

درود شریف ۱۰۰ بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۵۰۰ بار

درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

درود شریف ۱۰۰ بار

یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ۵۰۰ بار

درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت خواجہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ

درود شریف ۱۰۰ بار

کلمہ تمجید شریف

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ۲۰۰ بار

پھر درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت شاہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ رامپوری

درود شریف ۱۰۰ بار

کلمہ توحید

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

پھر درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت سید نیک عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ گوڑہ سیداں شریف

درود شریف ۱۰۰ بار

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ۵۰۰ بار

درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ ڈھنگروٹ شریف

درود شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ حَیَاتِ الْقُلُوْبِ وَشِفَائِہَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ ۱۰۰ بار

سورۂ فاتحہ ۷ بار

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۵۰۰ بار

سورۂ فاتحہ ۷ بار

درود شریف ۱۰۰ بار

ختم شریف حضرت خواجہ محمدؐ سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ چھچیاں شریف

سُورۂ فاتحہ مع بِسْمِ اللّٰہ	۷ بار
دُرُود شریف	۱۰۰ بار
سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمٍ	۵۰۰ بار
سورۂ فاتحہ مع بسم اللّٰہ	۷ بار
درود شریف	۱۰۰ بار

☆ ☆ ☆

فصل اوّل سلسلہ نقشبندیہ

فصل دوم قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ

فصل سوم شجرۂ طریقت

فصل اول:

سلسلۂ نقشبندیہ

ا۔ خصائص سلسلہ

سلوک اور طریقت کا باطنی وروحانی نظام متعدد سلسلوں پر قائم ہے، جن میں سے چند بڑے اور اہم سلاسل یہ ہیں: قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ۔ یوں تو یہ چاروں سلاسلِ طریقت اور تربیتِ روحانی کے وسائل اور بارگاہِ الٰہی تک پہنچنے کے ذرائع ہیں مگر سلسلۂ نقشبندیہ تکمیلِ سلوک اور وصول الی اللہ کے لیے باقی تمام سلاسل سے زیادہ اقرب اور زیادہ کامل ومؤثر ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کے فضائل وامتیازات بہت سے ہیں۔ اس طریقۂ عالیہ کا مدار اتباعِ سنت کے التزام اور بدعت سے اجتناب ہے۔ مشائخِ نقشبندیہ حتی الامکان عزیمت پر عمل کی تلقین واہتمام کرتے اور احوال ومواجید کو احکام شرعیہ کے تابع رکھتے ہیں۔ کشف وکرامات کے بجائے کمالِ حضور اور دوام آگاہی کی طلب وجستجو کرتے ہیں۔ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی کے لیے ان کا واسطہ افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے اور یوں ان کی نسبت سب نسبتوں سے بلند وبالا اور قوی ومحکم ہے۔

یہ طریقۂ عالیہ حصولِ مقصد کے لیے سب سے اقرب، سب سے اقویٰ اور یقیناً موصل ہے۔ دوسرے طریقوں کے برعکس اس میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور یوں سلوک جذبہ کے ضمن میں اور سیرِ آفاقی، سیرِ انفسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دوسروں کی نہایت اس کی بدایت میں مندرج ہے۔ اس طریقے میں اگر شرائطِ سلوک پوری اور پیر کامل کی صحبت نصیب ہو تو وصول الی اللہ یقینی ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ میں حصولِ مقصد کا مانع سوائے طالب کی سستی کے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہاں سلوک کا پہلا قدم جذبہ ہے جو وصول الی اللہ کی دہلیز ہے۔ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار آند

کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را

یعنی مشائخِ نقشبندیہ عجیب طرح کے سالارِ قافلہ ہیں جو کاروانِ طریقت کو انتہائی پوشیدہ راہ سے حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔ ؎

در لباسِ اہل دنیا کارِ عقبیٰ می کند

ایں عجب رمزیست زیبا در طریقِ نقشبند

یعنی مشائخِ نقشبندیہ کے طریقے میں یہ عجب سہانی رمز ہے کہ وہ بظاہر دنیا کے لباس میں رہتے اور باطن میں آخرت کا کام کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

۲۔ مشائخ سلسلہ

اسمائے گرامی	تاریخ وصال	مقام
☆ سرور کونین رحمتِ ہر عالم سیدنا مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم		
☆ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۲ ربیع الاول ۱۳ھ	مدینہ منورہ
☆ حضرت ابو عبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۱۰ رجب ۱۲ھ	مدائن
☆ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم	۲۴ جمادی الاول ۱۰۱ھ	مدائن
☆ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۵ رجب ۱۴۸ھ	مدینہ منورہ
☆ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی قدس سرہ	۱۴ شعبان ۲۶۱ھ	بسطام
☆ حضرت ابو الحسن علی بن احمد خرقانی قدس سرہ	۱۵ رمضان ۴۲۴ھ	خرقان
☆ حضرت ابو علی فضل بن محمد فارمدی قدس سرہ	۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ	طوس
☆ حضرت ابو یعقوب یوسف ہمدانی قدس سرہ	۲۷ رجب ۵۳۵ھ	مرو
☆ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ	۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ	غجدوان
☆ حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری قدس سرہ	یکم شوال ۶۱۶ھ	ریوگر
☆ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہ	۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ	واکنی
☆ حضرت عزیزاں علی رامیتنی قدس سرہ	۲۷ رمضان ۷۱۸ھ	خوارزم
☆ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہ	۱۰ جمادی الآخر ۷۵۵ھ	سماسی
☆ حضرت سید شمس الدین کلال قدس سرہ	۱۵ جمادی الآخر ۷۷۲ھ	سوخار
☆ حضرت سید بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ	۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ	بخارا
☆ خواجہ علاؤالدین محمد عطار قدس سرہ	۲۰ رجب ۸۰۲ھ	جغانیہ

☆ حضرت یعقوب بن عثمان چرخی قدس سرہ	۵ صفر ۸۵۱ھ	بلغنون
☆ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ	۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ	سمرقند
☆ حضرت خواجہ محمد زاہد وخشی قدس سرہ	یکم ربیع الاول ۹۳۶	وخش
☆ حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہ	۹ محرم ۹۷۰ھ	اسقراز
☆ حضرت مولانا محمد خواجگی امکنگی قدس سرہ	۲۲ شعبان ۱۰۰۸ھ	امکنہ
☆ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ	۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ	دہلی
☆ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی قدس سرہ	۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ	سرہند
☆ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ	۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ	سرہند
☆ حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہ	۲۶ جمادی الاول ۱۰۹۶ھ	سرہند
☆ حضرت سید نور محمد بدایونی قدس سرہ	۱۱ ذیقعد ۱۱۲۵ھ	دہلی
☆ حضرت میرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ	۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ	دہلی
☆ حضرت شاہ عبد اللہ غلام علی دہلوی قدس سرہ	۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ	دہلی
☆ حضرت شاہ ابو سعید بن صفی القدر قدس سرہ	۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ	دہلی
☆ حضرت شاہ احمد سعید دہلوی قدس سرہ	۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ	دہلی
☆ حضرت شاہ محمد عمر رامپوری قدس سرہ	۲ محرم ۱۲۸۹ھ	رامپور
☆ حضرت خواجہ حاجی محمد بفوی قدس سرہ	۴ رمضان ۱۳۱۵ھ	بفہ
☆ حضرت سید محمد نیک عالم شاہ قدس سرہ	۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ	میرپور
☆ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات قدس سرہ	۳ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ	ڈھنگروٹ
☆ حضرت خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ	۲۳ محرم ۱۳۵۲ھ	کالا دیو۔ جہلم

☆ ☆ ☆

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ

سلسلۂ نسب :

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ قریشی الاصل اور صدیقی النسب ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب ۳۷ واسطوں سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

قاضی محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی محمد رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی محمد اکبر علی رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی علی محمد رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ بن قاضی فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن فرض اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالباسط رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن صدر جہاں رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ محمد رحمۃ اللہ بن شیخ عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ بن محمد حاکم رحمۃ اللہ علیہ بن فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ قادن رحمۃ اللہ علیہ بن ہدایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن عماد رحمۃ اللہ علیہ بن افتخار الدین رحمۃ اللہ علیہ بن قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ بن معین الدین رحمۃ اللہ علیہ بن کمال الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ بن امام الدین رحمۃ اللہ علیہ بن شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ بن حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ محمود رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ ابوبکر ثانی رحمۃ اللہ علیہ بن ابراہیم ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ

بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تکمیلِ سلوک :

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں بچپن ہی سے ولایت کے آثار نمایاں تھے۔ ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد والد گرامی آپ کو اپنے پیر و مرشد کے آستانے باولی شریف لے گئے۔ یہ مسند ارشاد ان دنوں بڑی متعارف اور نمایاں مقام کی حامل تھی۔ آپ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گرامی میں بارہ برس تک رہے۔ اس دوران اپنے شیخ کے بتائے ہوئے مجاہدات، اسباق و اعمال اور اذکار و اوراد پر مسلسل عمل پیرا رہے اور ساتھ ہی مرشد کی محبت، خدمت اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔

اپنے مرشد کے وصال کے بعد ان کے جلیل القدر خلیفہ حضرت حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ ڈھنگروٹ شریف کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی اور انہی سے خلافت پائی۔ اس زبیری سلوک کے علاوہ قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ تربیت خواجہ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ ہی کی وساطت سے قطب زمان حضرت پیر سید نیک عالم شاہ قدس سرہ کی توجہ اور تلقین کے ذریعے سیفیہ نسبت بھی میسر آئی۔ نیز آپ کو خاندانی سلسلہ سے قادری نسبت بھی حاصل تھی۔ اس طرح قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سلوک میں تین بلند پایہ نسبتوں کے فیضان سے بہرہ ور ہوئے۔

عادات و اطوار :

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے عادات و اطوار پر اتباع شریعت، کمال نفاست اور انتہائی سادگی کا غلبہ تھا۔ لباس بالکل سادہ، فرغل مبارک اور تہبند ٹخنوں سے اونچا۔ سر

Marfat.com
Marfat.com

پر کپڑے کی ٹوپی اور اوپر چادر اوڑھے ہوتے۔ ایک وقت میں ایک ہی جوڑے پر قناعت فرماتے۔ ننگی چارپائی پر صرف چادر بچھا کر اور زمین پر سو جاتے۔ سر کے نیچے بازو یا چادر رکھ لیتے۔ خوراک انتہائی سادہ اور معمولی ہوتی۔ کھانا دستر خوان پر تنہا یا سنگیوں کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرماتے۔ وضع قطع نشست و برخاست اور بات چیت عجز و تواضع کا مرقع تھی۔ سنگیوں میں گھل مل کر رہتے۔ مجلس میں عام جگہ بیٹھتے۔ اپنے کام خود کرتے۔ سنگیوں کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے۔ مہمانوں کی خدمت کو سعادت سمجھتے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں، ہمیشہ مسجد میں قیام فرماتے۔ وضو کے لیے مٹی کا لوٹا استعمال کرتے۔

تاہم آخر میں کسی سنگی کا پیش کردہ لوہے کا آفتابہ بھی استعمال کیا۔ ادب و احتیاط کا یہ عالم کہ لوٹے کا رخ ہمیشہ قبلہ کی جانب رکھتے۔ حیا کا اس قدر غلبہ کہ بوقت طہارت گھٹنے کبھی برہنہ نہ ہوتے۔ قمیص بھی بیٹھ کر تبدیل کرتے۔ الغرض قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے عادات و اطوار، سیرت و کردار اور زندگی کے تمام نقوش و احوال سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سانچے میں ڈھلے ہوتے تھے۔

اشغال و معمولات:

قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی معمولات شب و روز پر حاوی تھے۔ شب بیداری آپ کی عادت بن گئی تھی۔ تہجد کی آٹھ رکعات پڑھتے۔ شروع میں تہجد کے بعد پانچ ہزار نفی اثبات کا ذکر مع حبس دم اور دس ہزار تہلیل لسانی معمول تھا مگر بعد میں پانچ سو حبس دم، پانچ ہزار تہلیل لسانی اور پچیس ہزار ذکر اسم ذات معمول رہا۔ فجر سے اشراق تک اور عصر سے مغرب تک مراقب رہا کرتے۔ اس دوران دنیوی گفتگو نہ فرماتے

تھے۔ تحیۃ الوضو زندگی بھر کا معمول تھا۔ وضو کے ساتھ مسواک ضرور کرتے۔ نماز میں تعدیل ارکان اور خشوع و خضوع کا پورا پورا اہتمام فرماتے۔ ظہر سے پہلے قیلولہ کرتے۔ ظہر کے بعد اوراد و وظائف پڑھتے۔ دلائل الخیرات شروع میں ہر روز پوری پڑھتے۔ آخر میں یومیہ منزل معمول رہا۔ درود مستغاث، حزب الاعظم اور اسمائے شریفہ اصحاب بدر و اُحد بھی معمولات میں شامل تھے۔ فجر کے بعد سورہ یٰسین، ظہر کے بعد سورۂ نوح، عصر کے بعد سورہ نبا، مغرب کے بعد واقعہ اور عشاء کے بعد سورہ ملک و سجدہ کی تلاوت معمول تھا۔ روزانہ بعد مغرب صلوٰۃ التسبیح ادا فرماتے۔ چھ نوافل اوابین اور چار نوافل اشراق، نیز سال میں ایک دفعہ دعائے عاشورہ معمول تھا۔ غرض زندگی کا لمحہ لمحہ وظیفہ بندگی، قدم قدم اتباع سنت کا آئینہ، نظر نظر توجہ الی اللہ اور ہر سانس ذکر الٰہی میں بسر ہوتی تھی۔

کشف و کرامات:

سنگی حضرات اپنے اپنے تجربے اور مشاہدے کی بناء پر قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی بے شمار کرامات کا ذکر کرتے ہیں اور اولیاء کرام سے کرامات کا صدور ثابت بھی ہے مگر ولایت کرامت کی محتاج نہیں۔ وہ خود ایک کمال ہے اور کمالات کا مجموعہ۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذات کے لیے کرامات کے انتساب کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔ آپ اس طرح کے ہر موقع سے پہلو تہی کرتے اور اپنے احوال کو ہمیشہ پردہ خفا میں رکھتے۔ آپ کی ساری توجہ اور تعلیمات احکام شریعت کی اتباع پر مرکوز تھیں۔ طریقت میں تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس پر زور دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں طریقہ مجددیہ پیش نظر رہتا۔ البتہ ایک کرامت جس کا اعتراف اپنوں اور بیگانوں سب کو ہے، وہ یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت انتہائی قوی اور صحبت نہایت مؤثر تھی۔ اکثر حضرات اس امر کا اعتراف کرتے ہیں

کہ چند دن آپ کی صحبت میں رہنے سے نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد،اشراق اور اوابین کی عادت پختہ ہو جاتی تھی۔ آپ کی توجہ اور تربیت کے اثر سے پاس بیٹھنے والوں کے دل دنیا سے بیزار اور خشیت الٰہی سے سرشار ہو جاتے اور روحانی ذوق وشوق پروان چڑھتا۔

تعلیمات:

شریعت اور طریقت کی تعلیم میں قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ عملی افادہ کا تھا۔ آپ خود شریعت وطریقت پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دیتے۔ ہر سنگی کو اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اسباق تفویض کرتے۔ پاکیزہ رزق اور کسب حلال کی تاکید فرماتے۔ استغنا۔ آپ کا شعار تھا اور اسی کی توقع سنگیوں سے رکھتے تھے۔ آپ سے اکثر یہ اقوال سنے گئے

- کوئی سانس اللہ اللہ سے خالی نہ جائے۔
- ہتھ کار وَل، دِل یار وَل
- لا طامع لا مانع، لا جامع
- کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن
- جھوٹ سے اجتناب، رزق حلال اور نماز کی پابندی ولایت ہے
- خواہشمند سے دنیا بھاگتی اور نفرت کرنے والے کے پیچھے آتی ہے
- ۱۲ ربیع الاول کو فرماتے: آج بخشش اور برکت کا دن ہے۔ کثرت سے توبہ واستغفار کرنی چاہیے

○ ؎ دل ز پر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود دُر عدن

خلفائے عظام:

مؤلف "تحفہ سلطانیہ" نے اپنی تالیف میں اکیس (۲۱) خلفاء کا ذکر کیا ہے۔ شاید سن تالیف تک خلفاء کی یہی تعداد ہو یا مؤلف کو ان ہی حضرات کا علم ہو سکا ہو حالانکہ خلفاء کی تعداد پینتیس (۳۵) سے متجاوز ہے۔ آزاد کشمیر کے علاوہ آپ کے خلفاء میں سے بعض کا حلقہ اثر پنجاب اور بعض کا کشمیر تھا۔ کشمیر کا وہ حصہ ان دنوں مقبوضہ کشمیر کہلاتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر سے بعض حلقہ بگوش اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

قبلہ عالم رحمہ اللہ کے خلفاء عظام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ میاں فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ — پیچیاں شریف
والد ماجد حضرت ماموں جی رحمۃ اللہ علیہ — المتوفی ۲۳ رجب ۱۳۵۲ھ

۲۔ قاضی محمد عالم رحمۃ اللہ علیہ — پیچیاں شریف
تایازاد حضرت قبلہ عالمؒ قدس سرہ — المتوفی ۷ محرم ۱۳۵۲ھ

۳۔ صوفی فوجدار خان رحمۃ اللہ علیہ — تھکیالہ والے
المتوفی ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ، ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۰ء

۴۔ خواجہ محمد اکبر علی رحمۃ اللہ علیہ — پاک پتن شریف
المتوفی ۵ شوال ۱۳۹۱ھ، ۲۴ نومبر ۱۹۷۱ء

۵۔ پیر سید غوث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ — پیاری ڈڈیال

٦۔ حاجی بقا محمد رحمۃ اللہ علیہ — نکہ کڑتی، کوٹلی
مؤلف کتاب ہذا — المتوفی ۱۵ اگست ۱۹۷٦ء۔

۷۔ میاں ستار محمد رحمۃ اللہ علیہ — انب، ڈڈیال

۸۔ میاں فضل الٰہی رحمۃ اللہ علیہ — کلہ تحصیل پلندری
۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

۹۔ سائیں محمد حلیم رحمۃ اللہ علیہ — وانگت پرگنہ لار کشمیر

۱۰۔ قاضی کرم علی خان رحمۃ اللہ علیہ — لامہ رجوعہ علاقہ بناہ

۱۱۔ مولوی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ — کڑی افغاناں۔ جہلم
المتوفی یکم محرم الحرام ۱۳۸۹ھ۔ ۲۰ مارچ ۱۹٦۹ء

۱۲۔ مولوی محمد زمان رحمۃ اللہ علیہ — مہتہ نزد دینہ
المتوفی ۲۷ مارچ ۱۹٦۷ بروز ہفتہ

۱۳۔ بابا غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ — سوہاوہ متصل ریلوے سٹیشن

۱۴۔ مولوی علی محمد رحمۃ اللہ علیہ — سکھو گوجر خان

۱۵۔ بابا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ — پلاکھر متصل دان گلی (کلر سیداں)

۱٦۔ مولانا غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ — چک حکیماں نمبر ۱۸ اپھالیہ۔ گجرات

۱۷۔ بابا محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ — بھگوان پورہ، گورداسپور

۱۸۔ صوفی احمد علی بکروال رحمۃ اللہ علیہ — کشمیر

۱۹۔ میاں عبدالکریم پکھرنی رحمۃ اللہ علیہ — علاقہ بناہ کوٹلی

۲۰۔ قاضی کرم دین المعروف قاضی کماں رحمۃ اللہ علیہ — لنجوٹ نکیال

۲۱۔ مولوی عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ	کرتوٹ، کوٹلی
۲۲۔ میاں محمد فیروز رحمۃ اللہ علیہ	مونگ چوکی، کوٹلی
۲۳۔ میاں غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ	مونگ چوکی، کوٹلی
۲۴۔ میاں محمد عالم رحمۃ اللہ علیہ	کلہ، پلندری
۲۵۔ سردار دیوان علی خان رحمۃ اللہ علیہ	کلہ، پلندری
۲۶۔ سائیں محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ	اصحاب رڈہ، سہنسہ کوٹلی
۲۷۔ میاں منظر حسین رحمۃ اللہ علیہ	کجلانی، کوٹلی
۲۸۔ میاں شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ	کنڈور، ڈڈیال
۲۹۔ صوفی احمد دین زرگر رحمۃ اللہ علیہ	ہل سنیاریاں، جہلم
۳۰۔ مولوی فضل دین رحمۃ اللہ علیہ	چک ۴۵
۳۱۔ مولوی فضل دین رحمۃ اللہ علیہ	چک ۷۳
۳۲۔ میاں محمد جی رحمۃ اللہ علیہ	تھنپال، ڈڈیال
۳۳۔ فقیر شاہ ہرنی والے رحمۃ اللہ علیہ	ہرنی، کشمیر
۳۴۔ مولانا عبدالخالق چھاچھی رحمۃ اللہ علیہ	حضرو، اٹک
۳۵۔ حافظ محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	
۳۶۔ میاں فتح محمد بجار رحمۃ اللہ علیہ	گنجوڑ، ڈڈیال

☆ ☆ ☆

فصل سوم:

شجرۂ طریقت

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ طریقت نقشبندیہ مجددیہ تھا۔ آپ نے زبیریہ اور سیفیہ دونوں سلوک طے کیتے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کو دیگر سلاسل میں بھی اجازت تھی مگر آپ نے زیادہ تر سیفیہ طریقہ پر سنگیوں کی تربیت کی اور یہی شجرۂ طریقت سنگیوں میں رائج ہے۔ یہ شجرہ اردو و پنجابی دونوں زبانوں میں ہے اور اس شجرۂ شریفہ کے مرتب ضلع میرپور آزاد کشمیر میں اس سلسلہ کے مروج ولی کامل حضرت سید محمد نیک عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بالواسطہ مرشد تھے۔

شجرۂ شریفہ:

اے تو نقاشِ ازل کلکِ قضا کے واسطے
اپنے اس تجدیدِ عالم خوشنما کے واسطے

باعثِ ایجادِ عالم مظہر نورِ قدم
احمدِ مرسل امام انبیاء کے واسطے

حضرتِ صدیق اکبرؓ صاحبِ خیر الوریٰ

موردِ الطافِ یرضی "اذھما" کے واسطے

حضرت سلمان فارسؓ کشتۂ حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

یکہ تاز عرصۂ عشقِ خدا کے واسطے

سید السادات قاسمؓ پور صدیق ولی

راز دارِ خاص احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے

جعفرِ صادقؓ امام پیشوائے اہلِ حق

قرۃ العینِ شہیدِ کربلاؓ کے واسطے

قطبِ بسطامیؒ شہِ مسند نشینِ معرفت

داد رس ہر نامرادِ کے واسطے

خرقۂ توحید کو ہے ذات سے جن کی شرف

خرقانی بوالحسنؒ مردِ خدا کے واسطے

بوئے عشقِ سرمدی سے ہیں جو مخمور المزاج

بو علیؒ سلطان اقلیم بقا کے واسطے

ہے زلیخائے جانِ عشق جن سے بے قرار

یوسف ہمدانؒ محبوب خدا کے واسطے

خواجۂ عالم امام غجدوانؒ قطب زماں

خضر راہِ وصل ذاتِ کبریا کے واسطے

Marfat.com

مرہم ناسورِ مجروحانِ تیغِ اشتیاق
عارفؒ کامل ولی ظلِ الٰہ کے واسطے

مطلعِ صبحِ ولایت مقطعِ انجام کار
فغنوی محمودؒ درگاہِ خدا کے واسطے

اہل جمعیت ہیں جن کی بارگاہ کے ذلہ خوار
شاہ رامیتن علیؒ اہل سخا کے واسطے

خواجہ بابا محمدؒ پیشوائے اتقیاء
مخزنِ اسرارِ تسلیم و رضا کے واسطے

بحر مواجِ شریعت سیدِ میرِ کلالؒ
قدوۂ اربابِ جمعِ اولیاء کے واسطے

اِھدِنا یا ربنا مِنکَ الصِّراطَ المُستَقِیم
اَذھِب عَنّا حزنَنا اِن اولیاء کے واسطے

نقش سے ہر ما سوا کے میرے دل کو پاک کر
شاہ بہاؤالدینؒ قطبِ راہ نما کے واسطے

گلشن توحید کا گلچین کر دیجیے مجھے
شاہ علاؤالحقؒ و دیں غوث الوریٰ کے واسطے

صاف دل کیجیے تعلقِ ما سوا سے صاف دل
خواجہ یعقوبؒ چرخِ اہتدا کے واسطے

مصدر سرّ نہایت ابتدا میں کیجیے
خواجہ احرارؒ محبوبِ خدا کے واسطے

برقِ عشقِ سرمدی سے خرمنِ دل کو جلا
زاہدؒ کامل مکمل پارسا کے واسطے

اَعْطِنِی کُحلَ الجَوَاھِر مِنْ غُبَارِ الاَولیاء
شیخِ درویشِ محمدؒ بے ریا کے واسطے

کر مذاقِ کام جاں کو معرفت سے بہرہ ور
خواجگیؒ خورشیدِ اقلیم بقا کے واسطے

خرقۂ پندارِ ہستی کو مرے صد چاک کر
شیخِ عبدالباقی باللہؒ بقا کے واسطے

جامِ صہبائے شریعت سے مجھے مخمور کر
شیخِ سر ہندی، مجددؒ مقتدا کے واسطے

رکھ مقید عروۃ الوثقٰی طریقت کا ہمیش
حضرتِ ایشاںؒ امام اصفیاء کے واسطے

استقامت کی شریعت کا نتیجہ دیجیے
شیخ سیف الدینؒ شاہِ اولیاء کے واسطے

نورِ ایمانِ حقیقی سے منوّر کیجیے
سیّد نورِ محمدؒ کی ضیاء کے واسطے

Marfat.com

تیغ سے اپنی محبت کے دل و جاں چاک کر

اس شہید جانِ جاناں میرزاؒ کے واسطے

مورد فیض مجدِد الف ثانی کیجیے

شاہ عبداللہ ولیؒ قطب الہدیٰ کے واسطے

دیجیے یا رب کمالات ثلاثہ میں کمال

بو سعید احمدیؒ بدر الدجی کے واسطے

کیجیے یا رب حقائقِ سبع میں مجھ کو حقیق

حضرتِ احمد سعیدؒ حق نما کے واسطے

وسعت بے کیف کا مجھ کو تکیّف کیجیے

حضرت شاہِ عمرؒ ظلّ الہ کے واسطے

حج رب البیت سے ممتاز فرمائیں مجھے

حضرت حاجیؒ شہِ ملکِ بقا کے واسطے

مبتلائے سوزِ نیرانِ محبت کیجیے

آہ عالمؒ سوزِ عالمؒ کی دعا کے واسطے

رنج و غم کو میرے دل سے دور کر

خواجہ محمد حیاتؒ حق نما کے واسطے

قلب میرا کر منور اے خدا

خواجہ سلطان عالمؒ اولیاء کے واسطے

Marfat.com
Marfat.com

صدقہ میں سب خواجگاں کے (۱) بدکار کو

کر ہدایت رہبران راہ ہدیٰ کے واسطے

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

(۱)۔ قاری یہاں اپنا نام لے۔

Marfat.com
Marfat.com